بسم اللہ الرحمن الرحیم

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ وفاق المدارس ملتان

جلد نمبر: ۲۳ شمارہ نمبر ۷ رجب المرجب ۱۴۴۷ھ جنوری ۲۰۲۶ء

بیاد

شمس العلماء
حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء
حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر
حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام
حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

جامع المعقول والمنقول
حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس المحدثین
حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

استاذ المحدثین
حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق حقانی مدظلہم
سینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر اعلیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر

مولانا محمد احمد حافظ

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

فون نمبر 061-6514525-6514526-27 فیکس نمبر 061-6539485
Email:wifaqulmadaris@gmisl.com web:www.wifaqulmadaris.org

ناشر: حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ◉ مطبع: اقرا اختر پرنٹنگ پریس پرانی غلہ منڈی بوہڑ گیٹ ملتان
شائع کردہ مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندیؒ کا سانحہ ارتحال	کلمۃ المدیر	۳
اعلامیہ مجلسِ اتحادِ امت پاکستان	اعلامیہ	۵
''دینی مدارس''، اسلام اور پاکستان کے تحفظ کی ضمانت	شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر نوراللہ مرقدہ	۱۲
صحیح مسلم کے ابواب وتراجم	مولانا کامران اجمل	۳۰
''الاتحاف لمذھب الاحناف'' کی طباعت	مولانا بدرالحسن القاسمی	۴۱
الحاد کا فکری چیلنج اور مدارسِ دینیہ کی عصری ذمہ داری	مولانا محمد ازہر	۴۴
تعلیمی نظام میں معروضی امتحانات کی اہمیت فوائد اور گزارشات	مولانا محمد آصف ملک	۴۸
وہ لوگ بھی بچھڑے جو بچھڑنے کے نہیں تھے!	جناب محمد ہانی رفیق	۵۲
اجلاس مسؤلین بلوچستان	مولانا سید عبدالرحیم الحسینی	۵۶
مطالعے کی میز سے	محمد احمد حافظ	۵۸
تبصرہ کتب	محمد احمد حافظ	۶۲

مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں۔

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر-سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر-ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر-

اندرون ملک قیمت: فی شمارہ: 40 روپے، زر سالانہ مع ڈاک خرچ: 540 روپے

كلمة المدير

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندیؒ کا سانحہ ارتحال

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم!

گزشتہ ماہ پاکستان میں تین اہم شخصیات داغ مفارقت دے گئیں۔ایک مولانا مفتی محمد حنیف عبد المجیدؒ؛ جو ممتاز عالم دین، درجنوں کتابوں کے مصنف، اور ماہر تعلیم تھے۔کراچی میں ان کے قائم کردہ مدارس اور اسلامی اسکولز تعلیم وتربیت اور نظم وضبط کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہیں۔دوسرے حضرت مولانا پیر عبد الرحیم نقشبندیؒ، جو نقشبندی سلسلے کے بڑے شیوخ میں شمار ہوتے تھے، مرشد عالم حضرت مولانا حافظ پیر غلام حبیب نقشبندی رحمہ اللہ کے صاحبزادے اور چکوال میں خانقاہ حبیبیہ کے مہتمم تھے۔

تیسری اہم شخصیت جو داغ، فارقت دے گئیں وہ نقشبندی سلسلے کے سرخیل، تزکیہ وسلوک کے امام حضرت مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندیؒ ہیں۔آپ علاج کے سلسلے میں لاہور تشریف لے گئے ہوئے تھے کہ ۱۴ دسمبر بروز اتوار کو تقریباً ۷۲ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔۔۔انا للہ وانا الیہ راجعون!۔

آپ کی وفات حسرت آیات کی خبر غم دنیا بھر میں گہرے افسوس کے ساتھ سنی گئی۔آسمان ولایت کا ایک نیّر تاباں رخصت ہوگیا، دنیا میں تاریکی مزید بڑھ گئی۔

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندیؒ حضرت پیر غلام حبیب نقشبندی رحمہ اللہ کے اجل خلیفہ اور حضرت مولانا خواجہ عبد المالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے داماد تھے۔آپ کی پہلی بیعت مولانا سید زوّار حسین شاہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ان اکابر سے آپ نے دل جمعی اور ریاضت کے ساتھ کسب فیض کیا، اور درجہ کمال کو پہنچے۔

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا شمار دورِ حاضر کے عظیم مصلحین امت میں ہوتا تھا۔آپ باعمل عالم، متبع سنت، جامع صفات اور جامع کمالات تھے۔آپ روحانی بیماریوں کے ماہر نبّاض تھے ۔آپ کی پرتاثیر روحانی مجالس اور دلپذیر بیانات سے مردہ دل جی اٹھتے۔بہت سے سست گام راہِ ہدایت پر گامزن ہوجاتے۔تزکیہ وسلوک کی منزلیں طے کرتے اور اپنے دلوں میں محبتِ الٰہیہ کی قندیلیں روشن کرتے۔آپ کے خطبات بہت نپے تلے، مرتب، پرتاثیر، علمی اور روحانی نکات سے بھرپور، از دل خیزد بر دل ریزد کی کیفیت لیے ہوتے۔

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی رحمہ اللہ نے اصلاحِ باطن اور تزکیہ نفس کے ذریعے بے شمار لوگوں میں تعلق مع اللہ پیدا کیا۔ آپ سے مستفیض ہونے والوں میں طبقہ علماء کی ایک بڑی تعداد شامل ہے، ان میں پاک وہند کے بہت سے کبار علماء بھی شامل ہیں۔ آپ کی وفات پر پاک وہند کے تمام بڑے دینی اداروں میں آپ کے لیے مغفرت اور بلندی درجات کی دعاؤں کا اہتمام کیا گیا۔ دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم وقف، جامعہ مظاہر علوم سہارنپور جیسے علمی مراکز سے آپ کی وفات پر تعزیتی پیغامات جاری کیے گئے۔

اِدھر پاکستان میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے قائدین شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صدر وفاق المدارس العربیہ، حضرت مولانا انوار الحق سینئر نائب صدر، حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ناظم اعلیٰ وفاق المدارس نے مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی کی رحلت پر تعزیت کرتے ہوئے ان کی تعلیم وتربیت اور تزکیہ واحسان کے حوالے سے خدمات کو ناقابل فراموش اور قابل قدر قرار دیا۔ انہوں نے کہا:

''مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی رحمہ اللہ نے صرف تصوف وسلوک ہی نہیں بلکہ جامعہ معہد الفقیر الاسلامی کے ذریعے گرانقدر علمی خدمات بھی سرانجام دیں۔ وفاق المدارس کے قائدین نے کہا کہ مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی نے اپنے متعلقین کو جس طرح دینی تعلیم کی طرف راغب کیا، جس طرح دینی مدارس سے باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دی وہ ان کی امتیازی خصوصیت تھی جس کی وجہ سے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے ہزاروں لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب آیا۔ وفاق المدارس کے قائدین نے کہا کہ مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی ہمیشہ وفاق المدارس اور اکابر علماء کرام کے ساتھ وابستہ رہے اور دوسروں کو بھی اسی وابستگی کی تلقین کرتے رہے۔ وفاق المدارس کے قائدین نے مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی کے صاحبزادگان، جامعہ معہد الفقیر الاسلامی کے اساتذہ وطلبہ اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ان کے متعلقین سے مسنون تعزیت کرتے ہوئے ان کے درجات کی بلندی کے لیے خصوصی دعا کی۔ قائدین وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے ملک بھر کے ارباب مدارس اور مساجد کے ائمہ وخطباء سے بھی پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مرحوم کے لیے خصوصی دعاؤں کی اپیل کی۔''

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ اب اس دنیا میں نہیں رہے، لیکن تزکیہ وسلوک کے میدان میں ان کی محنت وکاوش کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ انہوں نے جس طرح علم وعرفان کی مجالس کو خونِ جگر دے کر سینچا اس کی مثال کم کم ہی ملتی ہے۔ اب یہ افسوس رہے گا کہ:

فروغِ شمع تو باقی رہے گا صبحِ محشر تک — مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

اعلامیہ مجلسِ اتحادِ امت پاکستان

تمام مکاتبِ فکراور دینی تنظیموں کا مشاورتی وعلمی نمائندہ اجتماع

منعقدہ یکم رجب 1447ھ مطابق 22 دسمبر 2025ء بروز پیر کراچی

تمام مکاتب فکر کے علماء اور مختلف دینی جماعتوں اور تنظیموں کا یہ اجتماع مندرجہ ذیل امور پر مکمل اتفاق رائے رکھتا ہے:

1) آئین پاکستان دفعہ 227 کی رُو سے حکومت پر لازم ہے کہ وہ ملکی قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق بنائے اور اگر کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف موجود ہے یا بن چکا ہے اسے تبدیل کر کے قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق ڈھالے۔ اس غرض کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی مکمل سفارشات تیار کی ہوئی ہیں۔ آئین کی رُو سے ان کو پارلیمنٹ میں پیش کر کے ان کے سلسلے میں قانون سازی حکومت کی ذمہ داری ہے، لیکن افسوس ہے کہ سالہا سال گذرنے کے باوجود اب تک انہیں پارلیمنٹ میں پیش نہیں کیا گیا۔ یہ اجتماع حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ نفاذِ شریعت کو اولیت دے اور یہ سفارشات پارلیمنٹ میں پیش کر کے ان کے مطابق قانون سازی کی جائے۔

2) ملک میں اسلامی قوانین کے جاری اور غیر اسلامی قوانین کے خاتمے کے لیے مؤثر ترین ادارہ ''وفاقی شرعی عدالت'' اور سپریم کورٹ ''شریعت اپیلٹ بنچ'' ہے۔ آئین کی رو سے وفاقی شرعی عدالت میں تین علماء جج ہونے چاہییں، لیکن عرصہ دراز سے یہ عدالت علماء ججوں سے خالی ہے، نیز شریعت اپیلنٹ بنچ میں بھی علماء کی موجودگی ایک سوالیہ نشان ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ ان عدالتوں کی طرف رجوع کی شرح بہت کم ہوگئی ہے۔ یہ اجتماع مطالبہ کرتا ہے کہ آئین کے مطابق علماء ججوں کا تقرر یقینی بنایا جائے۔

3) آئین کی چھبیسویں ترمیم کا یہ ایک مستحسن فیصلہ تھا کہ ملک سے ربا (سود) کے مکمل خاتمے کیلئے ایک معین تاریخ مقرر کر دی گئی تھی جو 31 دسمبر 2027ء کو ختم ہو رہی ہے۔ اور یکم جنوری 2028ء سے سودی نظام کو مکمل ختم کر کے اسلامی مالیاتی اور بینکاری نظام کو نافذ کرنا تھا۔ اس سلسلے میں اسٹیٹ بینک سے تمام بینکوں کو ہدایت دی گئی تھی کہ وہ مذکورہ مدت میں اپنے تمام مالی معاملات کو سود سے پاک کر لیں۔

لیکن اس دوران اس مبارک عمل کو سبوتاژ کرنے اور رکاوٹیں ڈالنے کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ باوثوق ذرائع سے

یہ معلوم ہوا ہے کہ وزارتِ قانون کی طرف سے ایک یادداشت تیار کی گئی ہے جس میں ان بینکوں کو اس حکم سے مستثنیٰ کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے جن میں غیر ملکی افراد کی حصہ داری (شیئر ہولڈنگ) ہے اور باوثوق ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بڑے بینکوں کی اکثریت کو استثناء دے بھی دیا گیا ہے۔ اس استثناء کی وجہ اس تحریر میں یہ بتائی گئی ہے کہ کچھ بین الاقوامی معاہدات کا یہی تقاضا ہے۔

ہم یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ پاکستان کے آئین کو برتری حاصل ہے اور جو کوئی غیر ملکی کمپنی پاکستان میں کام کرتی ہے، اسے پاکستان کے آئین اور قانون کے تابع رہ کر ہی کام کرنا پڑتا ہے۔ یہ ایک مسلّم اصول ہے کہ بین الاقوامی معاہدات جب تک پارلیمنٹ کے ذریعے قانون نہ بن جائیں، انہیں دستور اور قانون پر بالاتری حاصل نہیں ہوتی۔ لہٰذا یہ عذر کسی طرح قابل قبول نہیں ہے اور یہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ جاری رکھنے کے مرادف ہے۔

ان حالات میں یہ اجتماع متفقہ طور پر یہ مطالبہ کرتا ہے کہ دستور میں سود ختم کرنے کی جو مدت مقرر کی گئی ہے اس پر لفظاً و معناً مکمل طور سے عمل کیا جائے۔

4) حال ہی میں دستورِ پاکستان میں ستائیسویں ترمیم انتہائی عجلت میں منظور کی گئی ہے۔ اس ترمیم میں متعدد امور عدلیہ کی آزادی پر قدغن کے حکم میں ہیں، لیکن ایک بات قرآن وسنت سے صراحتاً متصادم ہے اور وہ یہ کہ صدرِ مملکت اور افواجِ پاکستان کے بعض اعلیٰ مناصب پر فائز افراد کو نہ صرف ان کی مدتِ کار میں بلکہ تاحیات ہر قسم کی فوجداری کارروائی سے مکمل استثناء دیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے کام چھوڑنے کے بعد بھی زندگی بھر وہ ہر قسم کے جُرم کی باز پرس سے آزاد رہیں گے۔ یہ استثناء قرآن کریم کے بالکل خلاف ہے، جس نے یہ دو ٹوک ہدایت عطا فرمائی ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ (النسآء-135)

ترجمہ: اے ایمان والو! انصاف قائم کرنے والے بنو، اللہ کی خاطر گواہی دینے والے، چاہے وہ گواہی تمہارے اپنے خلاف پڑتی ہو، یا والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف۔

شعارِ نبوت تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں عین حالتِ جنگ میں خود اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کیا، خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خلیفۂ راشد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے عہد میں اپنے آپ کو عدالت میں فریق ثانی کے ساتھ مساوی حیثیت میں پیش کر

کے بلا امتیاز اور شفاف عدل کا نمونہ پیش کیا۔

ہم اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ "بنیان مرصوص" کے معرکہ میں کامیابی پر افواجِ پاکستان مبارک باد کی مستحق ہیں لیکن ان کے اعلیٰ مناصب کو استثناء دینا ان کے مناصبِ جلیلہ کے شایانِ شان نہیں ہے بلکہ ان کے کردار پر دھبہ لگانے کے مرادف ہے۔

بفضلہٖ تعالیٰ ہمارا آئین سن 1973ء سے تمام حلقوں کی طرف سے متفقہ چلا آ رہا تھا، ستائیسویں ترمیم کی بناء پر آئین کو بھی متنازعہ بنادیا گیا ہے، لہٰذا یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ اس ترمیم کو منسوخ کیا جائے یا قومی مشاورت اور پارلیمنٹ کے اتفاق رائے سے دستورِ پاکستان کی روح کے مطابق ڈھالا جائے، کیونکہ دستور کسی قوم وملت کا اجماعی میثاق ہوتا ہے۔

5) جون 2025ء میں اسلام آباد دارالحکومت کے علاقے کے لیے ایکٹ نمبر 11 نافذ کیا گیا ہے، اس میں اٹھارہ سال سے کم عمر لڑکے یا لڑکی کے نکاح کرنے، کرانے اور نکاح پڑھانے کو قابل سزا جرم قرار دیا گیا ہے، اور اس کے لیے سخت سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ اندیشہ ہے کہ یہ قانون تمام صوبوں سے بھی منظور کرایا جاسکتا ہے، جبکہ سندھ کی حکومت پہلے ہی ایک ایسا قانون بنا چکی ہے۔

یہ اجلاس واضح الفاظ میں قرار دیتا ہے کہ یہ قانون قرآن وسنت کے بالکل خلاف ہے۔ اسلام میں نکاح کی کوئی عمر مقرر نہیں ہے۔ بالخصوص بلوغ کے بعد جو ہمارے ملک میں عموماً بارہ سے پندرہ سال کی عمر تک ہوجاتا ہے، کسی شخص کے لیے نکاح پر پابندی عائد کرنا موجودہ ماحول میں ناجائز تعلقات اور زنا کاری پر آمادہ کرنے کے مرادف ہے، لہٰذا اس اجلاس کا متفقہ مطالبہ ہے کہ اس وفاقی قانون اور سندھ کے پابندی کے قانون کو منسوخ کیا جائے۔

6) ٹرانس جینڈر ایکٹ سن 2018ء میں نافذ ہوا تھا جسے وفاقی شرعی عدالت نے قرآن وسنت کے خلاف قرار دے دیا تھا، لیکن حکومت نے اس کے خلاف سپریم کورٹ شریعت اپیلیٹ بنچ میں اپیل دائر کردی جو ابھی تک زیر التواء ہے، جس کے نتیجے میں وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ معطل ہے، اور قانون فی الحال جوں کا توں موجود ہے، البتہ شنید ہے کہ پارلیمنٹ کی کوئی کمیٹی اس میں ترمیم پر غور کر رہی ہے۔

یہ اجلاس واضح الفاظ میں یہ قرار دیتا ہے کہ تخلیقی طور پر جس شخص کی جنس مشتبہ ہو، اسے اسلامی اصطلاح میں "خُنثیٰ" کہا جاتا ہے اس کے لیے شریعت میں مفصل احکام موجود ہیں جن میں یہ بھی داخل ہے کہ اسے معاشرے میں باعزت شہری کے طور پر تسلیم کیا جائے اور اس کی بے عزتی سے پرہیز کیا جائے اور اس کے تمام جائز حقوق ادا کئے جائیں۔

لیکن ''ٹرانس جینڈر'' کی اصطلاح جس معنی میں مغرب کی طرف سے گھڑی گئی ہے اس کا ''خنثی'' سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''ٹرانس جینڈر'' کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے مذکر یا مؤنث ہونے کا فیصلہ اپنی حیاتیاتی یا تخلیقی بنیاد پر نہیں، بلکہ خود اپنی پسند یا ناپسند کی بنیاد پر کر سکتا ہے، یہ درحقیقت ہم جنس پرستی کو لائسنس دینے کے لیے ایک مخفی دروازہ ہے، مغرب نے انسان کی اصناف صرف مرد، عورت اور خنثی کی حد تک محدود نہیں رکھیں، بلکہ انسانی کی بہت سی اصناف بنادی ہیں جنہیں LGBTQ کہا جاتا ہے اور ان میں مزید اضافہ ہو رہا ہے، اسلامی معاشرے میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

7) یہ اجتماع اس بات پر یقین رکھتا ہے اور علماء کی طرف سے اس کا بار بار اعلان کیا گیا ہے کہ ملک میں حالات کی اصلاح اور شریعت کے نفاذ کے لیے صرف پُرامن آئینی جدوجہد ہی واحد راستہ ہے اور اس غرض کے لیے مسلح جدوجہد نہ موجودہ حالات میں اسلام کا تقاضہ ہے نہ مصلحتِ شریعت کا، اس وقت متعدد بیرونی طاقتیں ملک کو کمزور کرنے اور داخلی انتشار کے ذریعے اس کو تقسیم کرنے پر تُلی ہوئی ہیں، ایسے حالات میں کوئی مسلح جدوجہد چاہے وہ اسلام کے نام پر ہو یا قومیت کے نام پر اس کا فائدہ صرف ملک دشمن عناصر ہی کو پہنچ سکتا ہے لہٰذا ہم ایک بار پھر ملک میں حکومت مخالف مسلح کارروائیوں کی مذمت کرتے ہیں، البتہ حکومت سے بھی یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ان شورشوں کو ختم کرنے کے لیے جائز مطالبات پر عمل بھی کرے اور اس مسئلہ کو بہادری کے ساتھ حکمت اور تدبر کے ذریعہ حل کرے۔

8) یہ اجتماع اسلامی جمہوریہ پاکستان اور امارتِ اسلامیہ افغانستان کے درمیان موجودہ کشیدہ حالات پر انتہائی تشویش کا اظہار کرتا ہے، یہ صورتحال دونوں ملکوں کے مفاد میں نہیں ہے اور اس سے صرف اسلام دشمن قوتوں اور بھارت کو فائدہ پہنچے گا۔ ہم امارتِ اسلامیہ افغانستان سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی سرزمین کو ان مفسد اور تخریب کار گروہوں اور طبقات کی آماجگاہ نہ بنائے جو وہاں دستیاب سہولتوں سے فائدہ اٹھا کر پاکستان میں تخریب کاری اور دہشت گردی کی کارروائیاں کر رہے ہیں۔

قوموں اور ملکوں کے مسائل باہمی مکالمے سے حل ہوتے رہے ہیں اور اب بھی اس کا قابلِ عمل اور قابلِ قبول دیرپا حل یہی ہے۔ لازم ہے کہ دونوں ممالک کی اعلیٰ ترین قیادت مل بیٹھے اور مزید کسی نقصان کے بغیر سارے مسائل کا مثبت اور قابلِ عمل حل نکالا جائے تاکہ دونوں پڑوسی برادر ممالک کے تعلقات معمول پر آئیں اور ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ دونون ممالک کے درمیان نقل و حمل اور تجارت کا سلسلہ جاری رہے، ان میں دونوں ممالک کا فائدہ ہے اور ماضی کی اچھی باتوں کو یاد رکھا جائے اور ناخوشگوار باتوں سے صرف نظر کیا جائے، یہی دونوں کے ملکی، ملی، قومی

اوراسلامی مفاد میں ہے۔

9) آج کا یہ تمام مکاتبِ فکر کا نمائندہ اجتماع حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ دینی مدارس وجامعات کے ساتھ کیے گئے میثاق اوراسکی بنیاد پر نافذ ہونے والے قانون پر لفظاً ومعنیً عمل کیا جائے اوراس میں نت نئی رکاوٹیں نہ پیدا کی جائیں۔حکومتی اداروں کے اپنے بعض اعداد وشمار کے مطابق تقریباً تین کروڑ بچے اسکولوں سے باہر بیٹھے ہیں، ریاست وحکومت ان کی تعلیم کا انتظام کرنے سے قاصر ہے۔ایسے میں دینی مدارس وجامعات کی خدمات کوقدر کی نگاہ سے دیکھا جائے کہ یہ اپنے وسائل کے اندر رہتے ہوئے اورقومی خزانے پر بوجھ نہ ڈالتے ہوئے دینی وعصری تعلیم کے ساتھ ساتھ کفالت کا بھی انتظام کرتے ہیں اور بڑی تعداد میں طلبہ وطالبات ان اداروں میں زیرِ تعلیم ہیں۔یہ ادارے انھی علاقوں سے جہاں آج شورش ہے،قوم کے بچوں کو لاکر پاکستان کے محبِ وطن شہری اوراچھے مسلمان بناتے ہیں اورشرحِ تعلیم میں اضافہ کرتے ہیں۔

ہم یہ بھی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ دینی مدارس وجامعات اپنے نظامِ تعلیم اورنصاب کے لیے پہلے کی طرح آزاد رہیں گے،دینی مدارس وجامعات نے کسی بھی حکومتِ وقت کے لیے نہ پہلے مسائل پیدا کیے ہیں اورنہ اب کریں گے اورحکومت ان اداروں کواپنا حریف سمجھنے کے بجائے اپنا حلیف سمجھے،کیونکہ تعلیم کا فروغ اور ملک وملت کا مفاد ہم سب کے درمیان قدرِ مشترک ہے۔

یہ اجتماع اس بات پر افسوس کا اظہار کرتا ہے کہ دینی مدارس کی رجسٹریشن کا قانون بننے کے بعد بھی انکی رجسٹریشن عملاً بند ہےاورانہیں ناشائستہ تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے،حالانکہ وہ قومی خزانے پرایک روپے کا بوجھ ڈالے بغیر لاکھوں طلبہ اور طالبات کو نہ صرف تعلیم دے رہے ہیں بلکہ اُنکے ذریعے خدمت خلق کا کام اُن جگہوں پر بھی رہا ہے جہاں حکومت کی بھی پہنچ نہیں ہے۔

ہم یہ بات دوٹوک الفاظ میں واضح کرنا چاھتے ہیں کہ دینی مدارس کا بنیادی کام شریعتِ حق کی تعلیم ہے جس کے ذریعے حکومت سمیت کسی بھی حلقے کی ترغیب وتحریص یا کسی قسم کے دباؤ کے بغیر مستند اورحق گو علماء پیدا کرنا ہے۔اس لئے انکا اپنے نصاب ونظام میں مکمل طور پرآزاد اورخودمختار ہونا ضروری ہےاوردینی مدارس کسی ایسے اقدام کے لئے ہرگز تیارنہیں ہونگے جوانکی اس بنیادی اہداف کے راستے میں رکاوٹ ہو،اوران پرایسے کسی نظام میں داخل ہونے پر مجبور کرنا سراسر زیادتی اور متفقہ قانون کی صریح خلاف ورزی ہے۔ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس معاملے میں عرصے سے مزاحمت اورزبردستی پرآمادہ ہے، ملک پہلے ہی مسائل کا شکار ہے،ایسے حالات میں اس تنازعے کو پالتے رہنے سے مسائل مزید الجھیں گے اور یہ ملک کے لئے سخت مضر ہوگا۔مدارس پر سب سے بڑا

اعتراض یہ ہے کہ وہ عصری تعلیم نہیں دیتے، اول تو اس وقت بیشتر مدارس اپنے وسائل کے تحت دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم بھی دے رہے ہیں اور انکے طلبہ سرکاری بورڈوں کے امتحانات میں پوزیشن لے رہے ہیں، اور جہاں اسکی کمی ہے دینی مدارس اسے خود اپنی ضرورت سمجھ کر پورا کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔

دوسرے یہ ادارے قرآن وحدیث اور اسلامی فقہ کی تعلیم کے لئے مختص ہیں، ضروری عصری تعلیم کے بعد اگر انکا سارا زور قرآن وحدیث اور فقہ پر ہو تو اسپیشلائزیشن اور تخصصات کے اس دور میں اس کی حکمت ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کسی لاء کالج سے یہ مطالبہ کرنا کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے ماہرین پیدا کیوں نہیں کرتے، ایک لغو مطالبہ ہے۔ لیکن ہمارا تجربہ یہ ہے کہ عصری تعلیم کا شوشہ دراصل انہیں حکومت کے ماتحت کرنے کے لئے چھوڑا گیا ہے تا کہ علماء اور اہلِ مدارس کو دینی معاملات میں حق گوئی سے روکا جا سکے۔

یہ متفقہ اجتماع واضح کرنا چاہتا ہے کہ مدارس ایسی کسی کاوش کو کسی قیمت پر قبول نہیں کرینگے۔

10) یہ اجتماع بیت المقدس اور فلسطین کی آزادی کی جدوجہد کی دل وجان سے نہ صرف حمایت کرتا ہے، بلکہ اس بات کو ہر مسلمان کا فریضہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنی استطاعت کی حد تک اس مقصد کے حصول کے لیے کسی کوشش سے دریغ نہ کرے، اگرچہ ظاہری سطح پر جنگ بندی کا اعلان ہو گیا ہے، لیکن اسرائیل کی طرف سے بے گناہوں کو نشانہ بنانے اور ان کو امداد پہنچانے میں رکاوٹیں ڈالنے کا سلسلہ جاری ہے۔ ایسے حالات میں مسلمان ملکوں سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی افواج وہاں بھیج کر حماس کو غیر مسلح کریں، متعدد مسلمان حکومتیں اس سے انکار کر چکی ہیں اور اب پاکستان پر دباؤ بڑھایا جا رہا ہے۔

یہ اجتماع پوری تاکید کے ساتھ حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ حماس کو غیر مسلح کرنے کے لیے اپنی افواج کو بھیجنے سے گریز کرے اور اس سلسلے میں کسی دباؤ میں نہ آئے۔ الحمدللہ پاکستان کی افواج جذبۂ جہاد سے آراستہ ہیں اور انہیں آزادئ بیت المقدس یا آزادئ فلسطین کی کسی مقدس جدوجہد کے خلاف کھڑا کرنے کا تصور بھی قوم کے لیے ناممکن ہے۔ اس سازش سے ملک کو محفوظ بنانا حکومت کی ذمہ داری ہے جس کا ہم پُرزور مطالبہ کرتے ہیں۔

فہرست تائید تصدیق کنندگان علمائے کرام ومعزز شخصیات

حضرت مولانا مفتی منیب الرحمٰن صاحب — حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب — حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب

حضرت جناب شجاع الدین صاحب۔ حضرت مولانا محمد یاسین ظفر صاحب۔ حضرت مولانا سید حامد سعید کاظمی

صاحب۔حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد صاحب۔حضرت مولانا عبدالغفور حیدری صاحب۔حضرت ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر صاحب۔حضرت مولانا راشد سومرو صاحب۔حضرت مولانا ڈاکٹر عطاءالرحمٰن صاحب۔مولانا عبدالقیوم ھالیجوی صاحب۔حضرت امداداللہ صاحب۔حضرت علامہ ابتسام الٰہی ظہیر صاحب۔حضرت مولانا سعید یوسف صاحب۔حضرت مولانا عبدالحق ثانی صاحب۔حضرت مولانا محمد یوسف خان صاحب۔حضرت مولانا پیر نورالحق قادری صاحب۔حضرت مولانا مفتی محمد طیب صاحب۔حضرت علامہ صاحبزادہ محمد ریحان امجد نعمانی صاحب۔حضرت مولانا فضل الرحمٰن درخواستی صاحب۔حضرت قاری محمد عثمان صاحب۔حضرت مولانا اعجاز مصطفیٰ صاحب۔حضرت مولانا محمد سلفی صاحب۔حضرت مولانا مفتی محمد زبیر صاحب۔حضرت مولانا ڈاکٹر محمد زبیر اشرف عثمانی صاحب۔حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب۔حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عمران اشرف عثمانی صاحب۔حضرت مولانا حکیم محمد مظہر صاحب۔حضرت مولانا عبدالستار صاحب۔حضرت علامہ یاسر نواز صاحب۔حضرت مولانا احمد افنان صاحب ۔مولانا عبدالکریم عابد صاحب۔حضرت مولانا قاضی احسان صاحب۔حضرت مولانا سمیع الحق سواتی صاحب۔حضرت مولانا مفتی اویس ارشاد صاحب۔حضرت مولانا عبدالوحید صاحب۔حضرت مولانا قاری عبدالرشید صاحب۔جناب بابر قمر عالم صاحب۔حضرت مولانا خلیل احمد اعظمی صاحب۔حضرت سید حماد اللہ شاہ صاحب۔حضرت مولانا محمد منظور مینگل صاحب۔حضرت مولانا راحت علی ہاشمی صاحب۔حضرت مولانا انس عادل صاحب۔حضرت مفتی یوسف قصوری صاحب۔حضرت مولانا ڈاکٹر خلیل احمد اعظمی صاحب۔حضرت مولانا محمد غیاث صاحب۔حضرت علامہ احمد ربانی صاحب۔حضرت مولانا قاری اللہ داد صاحب۔حضرت علامہ اکرام سیالوی صاحب۔حضرت مولانا ڈاکٹر قاسم محمود صاحب۔حضرت علامہ ثاقب صدیق گلستان صاحب۔حضرت علامہ شعیب معینی صاحب۔حضرت نصیرالدین سواتی صاحب۔حضرت مولانا ضیاءالرحمٰن صاحب۔حضرت مولانا عابد مبارک صاحب۔حضرت مولانا قاضی احسان صاحب۔حضرت مولانا شاہ اویس نورانی صاحب۔حضرت مولانا مفتی جان نعیمی صاحب۔حضرت مولانا مفتی خالد محمود صاحب۔حضرت مولانا محمد یونس صاحب۔حضرت مولانا عبداللہ نجیب صاحب۔حضرت مولانا مفتی محمد الیاس رضوی صاحب۔پروفیسر ڈاکٹر فریدالدین قادری صاحب۔

''دِینی مدارِس''

اِسلام اور پاکستان کے تحفظ کی ضمانت

شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر نور اللہ مرقدہ

''رجب ۱۴۲۶ھ میں صحیح بخاری شریف کی آخری حدیث کے درس کے موقع پر شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزّاق اِسکندر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے طلبہ سے ایک اہم اور خصوصی خطاب فرمایا، اس خطاب کے مندرجات آج بھی تازہ ہیں، اِفادۂ عام کی غرض سے ہدیۂ قارئین ہے۔''

الحمد للہ رب العٰلمین والصلاۃ والسلام علی سیّد الانبیاء والمرسلین وعلی الہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین، اما بعد!

نیک اولاد اور طلباءِ دین......ایک صدقہ جاریہ:

اللہ تعالیٰ کے ہاں اعمال ضائع نہیں ہوتے، جیسا کہ حدیث میں آپ نے پڑھا ہے کہ انسان دنیا سے چلا جاتا ہے تو اس کے اعمال بھی ختم ہوجاتے ہیں، سوائے تین اعمال کے، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ''**ولد صالح یدعو لہ**''، یعنی نیک صالح بیٹا جو اپنے والدین کے لیے دعا کرے، اس کے نیک صالح بیٹے کی دعا اور اس کے نیک اعمال کا اجر برابر ان کے مرحوم والدین کو پہنچتا رہتا ہے، تو وہ طلباء جن کے والدین یا ان میں سے ایک زندہ ہیں، آج ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ان کے لیے خوشی کا دن ہے اور جو طلباء اس نعمت سے محروم ہوچکے ہیں، اللہ کی ذات سے امید ہے کہ ان کے والدین کی روحیں آج خوش ہورہی ہوں گی کہ میرے بیٹے نے آج علم کا ایک مرحلہ پورا کرلیا ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے ایک واقعہ سنا کہ ایک شخص بیمار تھا، جب مرنے لگا تو اس نے وصیت کی: اس وقت اس کی بیوی حاملہ تھی: اس نے کہا جب یہ بچہ پیدا ہو اور اس قابل ہوجائے کہ مکتب میں پڑھ سکے تو اس کو مکتب میں لے جاکے قرآن سے اس کی تعلیم کا سلسلہ شروع کرانا،

وہ آدمی یہ وصیت کر کے فوت ہوگیا اور اس کے بعد اس کا بچہ پیدا ہوا، جب وہ بچہ بڑا ہوا اور قابل ہوگیا کہ اس کو لے جا کر مکتب میں بٹھایا جائے تو اس وقت کسی اللہ کے بندے نے کشف کی حالت میں دیکھا کہ اس مرنے والے کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے، ادھر اس کی بیوی اس کی وصیت کے مطابق بچہ کو مکتب میں لے گئی اور جا کر قاری صاحب کے سامنے اس کو بٹھایا، قاری صاحب نے اس کو پڑھانا شروع کیا: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ جب بچہ نے بسم اللہ پڑھی تو وہی بزرگ جن کو کشف ہوا، انہوں نے دوبارہ دیکھا کہ اس کا والد جس کو قبر میں تکلیف ہو رہی تھی، اس کے بارے میں کہا گیا کہ ان کے عذاب کو ختم کر دو، یعنی اس کے بچہ کے بسم اللہ پڑھنے کی وجہ سے ان کے عذاب کو ختم کر دو......تو بھائی! جن کے والدین دنیا سے جا چکے ہیں ان شاء اللہ آج ان کی روحیں بھی خوش ہو رہی ہوں گی۔

میں یہ بھی کہتا ہوں کہ جس طرح فارغ التحصیل طلباء کے والدین آج خوشی محسوس کر رہے ہیں، اسی طرح آج آپ کے اساتذہ کی بھی آنکھیں ٹھنڈی ہو رہی ہیں، ان کی محنت آج ان کے سامنے آ رہی ہے، اتنا عرصہ آپ کے اساتذہ نے محنت کی، آج وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں کہ آپ آخری حدیث کا درس لے رہے ہیں۔

جس طرح یہ طلباء اپنے والدین کے لیے صدقہ جاریہ ہیں، اسی طرح میں اپنے ان بھائیوں سے کہنا چاہتا ہوں جنھوں نے علماء سے اپنا تعلق جوڑا ہوا ہے، جنہوں نے ان مدارس کی (جو آج دشمنوں کی آنکھوں کا کانٹا بنے ہوئے ہیں) خدمت کی، یہ طلباء آپ کے لیے بھی صدقہ جاریہ ہیں۔

یہ احادیث اور آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کے فرامین محض زبان سے کہنے کے نہیں ہوتے، بلکہ وحی کے ذریعہ اللہ پاک اپنے نبی صلی اللہ علیہ وَسلم کو سکھاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وَسلم نے امت کو سکھایا کہ زندگی کس طرح گزارنی ہے۔

ہمارے بزرگ اور اساتذہ فارغ ہونے والے طلباء سے فرمایا کرتے ہیں کہ آج تک تمہاری حیثیت اس بچہ کی تھی جو چلنا سیکھتا ہے، اس کا باپ یا کوئی بڑا اس کی انگلی پکڑ کر اس کو چلاتا ہے، کیوں کہ بچے کو سہارے کی ضرورت ہوتی ہے......ابھی تک آپ بچے تھے، آپ کو ان کتابوں کے سمجھنے کے لیے، دین کو سمجھنے کے لیے استاذ کی ضرورت تھی، اب آپ اس مرحلہ تک پہنچ چکے ہیں کہ اب آپ کو استاذ کے بغیر خود چلنا ہے، اب آپ کو خود مطالعہ کرنا ہے، ان کتابوں کے ساتھ ایسا تعلق جوڑیے کہ بس آپ اور کتاب لازم وملزوم ہوں، کتاب آپ کا اوڑھنا بچھونا ہو، مطالعہ آپ کا اوڑھنا بچھونا ہو، تو ان شاء اللہ پھر آپ دیکھیں گے کہ اللہ کی طرف سے آپ کے فہم اور تفقہ کے کتنے دروازے کھلتے ہیں......جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

”وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔“(۱)

ترجمہ:”اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سمجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں۔“

علم دوست کے لیے کامیابی کا وعدہ:

اسی طرح میں اپنے ان بزرگوں اور مہمانوں کا بھی شکریہ ادا کروں گا جن کا تعلق ان مدارس سے ہے، چاہے وہ تعاون کی صورت میں ہو، چاہے وہ محبت کی شکل میں ہو، آپ سب شکریہ کے مستحق اور قابل مبارک ہیں، کیوں کہ آپ سب وہ کام کررہے ہیں جس کا حکم خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے، حدیث آپ نے سنی ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لیس منامن لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا ومن لم یعرف لعالمنا حقه۔“(۲)

ترجمہ:”جو شخص چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا، بڑوں کی قدر نہیں کرتا، ہمارے علماء کی قدر نہیں کرتا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

ایک اور روایت میں فرمایا:

”کن عالما أو متعلما أو محبا أو متبعا ولا تکن الخامس فتھلک۔“(۳)

ترجمہ:”عالم بنو، یا علماء سے سیکھنے والے بنو، یا ان دونوں سے محبت کرنے والے بنو، یا ان کی اتباع کرنے والے بنو پانچویں قسم نہ بننا، ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے۔“

یا تو انسان خود عالم ہو یا علم حاصل کرے اور اگر علم حاصل کرنے کا موقع نہیں ہے تو بھائی ان سے محبت کرو، یہ کامیابی کا راستہ ہے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ دین کے معاملے میں قدم قدم پر ہم علماء کے محتاج ہیں یا نہیں؟ جس طرح قدم قدم پر ہم ڈاکٹر اور دوسرے پیشوں سے منسلک حضرات کے محتاج ہیں، اسی طرح دین کے معاملے میں ہم علماء کے بھی محتاج ہیں، کوئی آج کہہ سکتا ہے کہ ہمیں ڈاکٹروں کی ضرورت نہیں؟ ایسا کہنے والا انسان برے طریقے سے مرے گا، اس لیے کہ بیماریاں تو انسان کو لگی رہتی ہیں، تو میرے بزرگو اور بھائیو! آپ کی محنت جو آپ نے ان مدارس کے ساتھ تعاون کی صورت میں کی ہے، وہ آج آپ کے سامنے ہے، تین سو چالیس کے قریب، یہ وہ طلباء ہیں جو آج علماء بن گئے ہیں اور سو کے قریب طالبات ہیں، جنہوں نے علم دین حاصل کیا اور آج وہ طالبات بھی عالمہ بن گئی ہیں۔

تعلیم نسواں کے سلسلے میں خدمات علماء:

کہا جاتا ہے کہ جی! علماء تعلیم نسواں کے خلاف ہیں، یہ بہتان علماء پر باندھا جاتا ہے، علماء نے عورتوں

کو زیورِتعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے کتنا اہتمام کیا ہے، پاکستان کے ہر شہر میں جگہ جگہ بنات کے مدرسے بنائے گئے ہیں، جہاں ماشاء اللہ طالبات کوتعلیم دی جاتی ہے،تو آج آپ کے اس ادارہ سے بھی جہاں یہ طلباء فارغ التحصیل ہورہے ہیں، وہاں طالبات بھی فارغ ہورہی ہیں اور میں ان طالبات کو بھی مبارک باد دیتا ہوں۔

طالبات اوران کے والدین کی ذمہ داریاں:

ان سے بھی یہی کہتا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں کہ آپ کو اللہ نے یہ علم کی نعمت دی ہے، آپ اس علم سے اپنے تعلق کو باقی رکھیں، اس علم کو خوب سمجھیں، خود عمل کریں اور اپنے گھروں میں عمل کرانے کی کوشش کریں، تاکہ آپ کے گھر والے یہی سمجھیں کہ یہ بچی تو ہمارے لیے رحمت بن کر آئی ہے، ہم تو اندھیروں میں تھے، اس نے آکر علم کے ذریعہ روشنی دی ہے، آپ کے اخلاق اور اعمال ایسے ہوں کہ آپ کے عمل کو دیکھ کر دوسروں کو رشک آئے، ان کو ہدایت ملے اور مزید یہ کہ گھر کی ذمہ داریوں کو بھی اپنے لیے فریضہ سمجھیں، علم سے تعلق کا یہ معنی نہیں کہ آپ گھر کا کام کاج چھوڑ دیں کہ میں عالمہ بن گئی ہوں، نہیں! بلکہ ماں باپ کی خدمت، بہن بھائیوں کی خدمت، شادی کے بعد شوہر اور اسی طرح ساس سسر وغیرہ کی خدمت یہ بھی آپ کی اخلاقی ذمہ داریوں میں شامل ہونا چاہیے۔

فارغ التحصیل ہونے والے طلباء ہوں یا طالبات، ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ مجھے کسی نہ کسی جامعہ یا مدرسہ میں تدریس کا موقعہ ملے، ہر ایک کو حسب منشا موقع ملنا شاید مشکل ہو اس لیے کہ اتنے مواقع کہاں مل سکتے ہیں؟ طالبات کو چاہیے کہ کم از کم اپنے گھروں کے اندر محلے کے چھوٹے بچوں اور بچیوں کو قرآن پڑھانا شروع کردیں، ان کو دین کی موٹی موٹی باتیں سکھانا شروع کردیں، ان شاء اللہ اس سے اللہ پاک آپ کے لیے مزید راستے کھولے گا، علم دین کا حاصل ہونا اور اس سے تعلق رکھنا بہت بڑی نعمت ہے۔

ان فارغ التحصیل طالبات کے والدین کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ بھی اس کا خیال رکھیں، یہ نہ ہو کہ آپ ان کو گھر کی ماسیاں بنادیں اور چوبیس گھنٹے باورچی خانہ اور صفائی میں مصروف رہیں، بلکہ ان کو تھوڑا وقت دیجیے تاکہ وہ کچھ مطالعہ بھی کریں، کچھ پڑھیں بھی اور آپ کی خدمت بھی کریں، دونوں کام ساتھ ساتھ ہونے چاہئیں، ایسا نہ ہو کہ ہمارے کسی غلط تصرف کی وجہ سے دوسرے لوگ دین سے بدظن ہوں یا مدرسوں کو بدنام کریں۔عزیز طالبات! اس علم کو آپ اپنے خاندان کے لیے رحمت کا ذریعہ بنائیں، فتنہ اور انتشار کا ذریعہ نہ بنائیں، حکمت اور مصلحت، معاشرتی اور اخلاقی اقدار کا بھرپور پاس رکھیں۔

علماء امت کا احسانِ عظیم:

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے علماء اِتنا بڑا کام کر رہے ہیں، ہم حکومت سے ایک پیسہ نہیں لیتے، سارَا کام اللہ پاک اَپنے نیک بندوں کے ذریعے چلا رہا ہے مگر اِس کے باوجود دِین دُشمن ہمارے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، حقارت کی نظر سے ان علماء کو دیکھتے ہیں اور ان کو برا بھلا کہا جاتا ہے، اور غلط پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ مجھے تو حیرانی ہوتی ہے کہ بجائے اس کے کہ یہ لوگ ان علماء کا شکریہ اَدا کریں کہ جو کام تمہیں کرنا چاہیے تھا، مفت میں وہ کام یہ علماء کر رہے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک فرمان جاری کیا تھا کہ:

''اے علماء اور محدثین! اس علم کو پڑھاؤ، ایسا نہ ہو کہ پڑھنا پڑھانا ختم ہوجائے اور یہ علم دین ضائع ہوجائے۔''

ایک تو مسلمانوں کے وہ خلیفہ تھے جن کو اس علم کی فکر تھی کہ اس علم کو پڑھاؤ اور ایک آج ہمارے حکمران ہیں، ان کو یہ فکر لگی ہوئی ہے کہ ان مدارس کو بند کرو، بند نہیں کر سکتے تو خراب کر دو، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔

دینی مدارس اور دنیوی کالجوں میں فرق:

میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ کسی یونی ورسٹی، کسی کالج یا کسی اسکول کے فنکشن میں چلے جائیں، آپ اس فنکشن کا منظر دیکھیں اور آج اس منظر کو بھی دیکھیں، اللہ کے دین پڑھنے والوں کے چہروں کو دیکھیں کہ جن کے چہروں پر نور برس رہا ہے، ان کو دیکھیں جو شب و روز محنت کرتے ہیں، جن کے پاس کھیل کا وقت نہیں ہے، جن کے پاس تفریح کا وقت نہیں ہے، آپ رات گیارہ بجے آئیں، ان کو محنت کرتا ہوا دیکھیں گے، یہ وہ ہیں جو رات کو اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر گڑگڑاتے ہیں، روتے ہیں، یہ وہ ہیں جو اپنے استاذوں کی جوتیاں اٹھانا اپنے لیے سعادت سمجھتے ہیں، اِن کا مقابلہ آپ اُن سے کرتے ہیں جو اپنے استاذوں کو قتل کرتے ہیں، ان کو زخمی کرتے ہیں، کس قدر لائق افسوس ہے۔

ہمارے ہاں محبت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ'' کا نمونہ آپ کو یہاں نظر آئے گا، جا کر دیکھیں، ایک ہی کمرے میں مختلف صوبوں کے، مختلف زبانوں کے طلباء رہتے ہیں اور شیر و شکر ہو کر رہتے ہیں، ہمارے ہاں کوئی پارٹی بازی نہیں ہے، کسی زبان کی، کسی صوبائیت کی تفریق نہیں۔

ہمیں الزام دیا جاتا ہے کہ مدارس میں ہم تعصب کا سبق دیتے ہیں، نہیں! تعصب تمہارے ہاں ہے، تمہارے کالجوں کے اندر مختلف لسانی تنظیمیں ہیں، صوبائی تنظیمیں ہیں، آئے دن جھگڑے، لڑائیاں ہوتی ہیں

اور میتیں اٹھتی ہیں، تمہیں یہ سب کچھ نظر نہیں آ تا، الٹا ہمیں کہتے ہو کہ ہم تعصب کا سبق دیتے ہیں، یہاں تو اخوتِ اسلامی کی تعلیم دی جاتی ہے کہ دوسری اقوام کے ساتھ ہمیں رواداری، محبت اور ایمان واکرام کے ساتھ رہنا ہے۔ میں ایک مثال دیا کرتا ہوں، سورۃ البقرۃ کے آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔''(۴)

ترجمہ: ''مان لیا رسول نے جو کچھ اُترا اُس پر اُس کے رَب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی، سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو، کہتے ہیں کہ ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں میں سے۔''

دینِ اسلام اور ادیان سابقہ میں تعصب پسند کون؟:

یہ مدارس تعلیم دیتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر پیغمبر پر ایمان لانا ضروری ہے، ایک پیغمبر کا انکار سب پیغمبروں کا انکار ہے، اور نہ صرف یہ کہ ان انبیاء پر ایمان، بلکہ احترام اور محبت کا حکم ہے، ہم تمام انبیاء علیہم السلام سے محبت کرتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں دوسرے مذاہب والے ایک پیغمبر پر اِیمان لاتے ہیں، باقی سب کا انکار کرتے ہیں اور صرف انکار نہیں، بلکہ ان کی بے ادبی اور گستاخی بھی کرتے ہیں، یہودی صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں، باقی سب انبیاء کا انکار کرتے ہیں، بلکہ برے برے القاب دیتے ہیں، عیسائی صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں، باقی سب کا انکار کرتے ہیں۔

اسلام احترام سکھاتا ہے، ہم کسی پیغمبر کا نام لیتے ہیں تو اُن کے نام کے ساتھ کہتے ہیں ''علیہ السلام'' حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، آپ بتائیں کون متعصب ہے؟

ان مدارس کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ تعصب کا درس دیتے ہیں، یہ فرقہ واریت کا درس دیتے ہیں، کہاں کا انصاف ہے؟ فرقہ واریت تو تمہارے ہاں ہے کہ یہ فلاں زبان کا ہے، یہ فلاں صوبہ کا ہے اور اس پر لڑائیاں ہوتی ہیں، کبھی تم نے سنا کہ یہاں بھی لڑائیاں ہوتی ہیں؟ ہمارے یہ بچے اپنے اساتذہ کی جوتیاں اٹھانے کو فخر سمجھتے ہیں، کیا تمہارے ہاں بھی ایسا ہو رہا ہے، ذرا مقابلہ کرو۔

میں تمہیں چیلنج کرتا ہوں کہ ان کا مقابل لاؤ! اللہ کے بندو! تمہیں تو ان علماء کا شکریہ ادا کرنا چاہیے، جو

کام تمہیں کرنا چاہیے تھا، وہ یہ کررہے ہیں اور اپنی طرف سے جو سہولتیں ہوسکتی تھیں، وہ انہیں دیتے، بجائے شکرادا کرنے کے تم دوسروں کے آلہ کار بن کر ان کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کررہے ہو۔

مدارس اور اہل علم کے خلاف پروپیگنڈے اور سازشیں:

مدارس کے بارے میں ایک بڑا پروپیگنڈا یہ کیا جاتا ہے کہ یہاں دہشت گردی ہورہی ہے، آج تک یہ ظالم دہشت گردی کی تعریف تک نہیں کرسکے کہ دہشت گردی ہے کیا؟ لیکن ایک ہوّا کھڑا کردیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی دینِ اسلام کے دشمن ہیں، دین کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور مدارس کے خلاف اس لیے پروپیگنڈا کررہے ہیں کہ یہ مدارس ہدایت کے سرچشمے ہیں، یہاں سے ہدایت پھیلتی ہے، یہاں سے روشنی پھیلتی ہے، اگر یہ مدارس نہ ہوں تو یہاں سے دین ختم ہوجائے گا، مسلمان ختم ہوجائیں گے، دین کی بقا مدارس سے ہے اور مدارس سے علماء پیدا ہوتے ہیں، اور ان علماء کے ذریعے قرآن وحدیث سے آگاہی ہوتی ہے، یہ دیکھو! میرے سامنے بخاری شریف رکھی ہوئی ہے، اگر میں اٹھ جاؤں تو کیا یہ خود بولے گی؟ اگر قرآنِ کریم کو اپنے سامنے رکھ لو تو کیا وہ خود بولے گا؟ تلاوت کرے گا؟ نہیں ہرگز نہیں! تو بھائی قرآنِ کریم پڑھنے کے لیے قرآن کا حافظ چاہیے، قرآنِ کریم بیان کرنے کے لیے قرآن کا عالم چاہیے، قرآن کو سمجھنے کے لیے حدیث، تفسیر، فقہ کا عالم چاہیے، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم بنا کر بھیجا، اسی وجہ سے ان ظالموں نے سازشیں کیں، ان کا بس چلتا تو یہ مدارس پر تالے لگا دیتے، وہ نہیں ہوا تو پھر علماء کے قتل کی سازش شروع ہوگئی، کتنے علماء قتل ہوئے اور خاص طور پر اس ادارے کے ایسے ایسے علماء شہید کیے گئے جن میں ایک ایک عالم ہزاروں پر بھاری تھا، ان کو تو اللہ نے اونچے درجے دیے ہیں اور ان ظالموں نے اُن کی دنیا خراب کی لیکن انہوں نے ان کی آخرت خراب کردی۔

اسی طرح دوسری سازش یہ ہوئی کہ ان مدارس کے خلاف پروپیگنڈا کیا گیا کہ یہاں دہشت گردی ہوتی ہے، یہاں یہ ہوتا ہے، وہ ہوتا ہے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ دہشت گرد بیٹھے ہوئے ہیں، آپ بتائیں یہ قَالَ اللّٰہُ وَقَالَ الرَّسُوْل پڑھنا پڑھانا دہشت گردی ہے اور یہ طلباء کیا دہشت گرد ہیں؟

پھر ایک سازش یہ ہوئی اور مسلسل ہورہی ہے کہ تم ان مدارس کے نصابِ تعلیم میں تبدیلیاں کردو، میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ غیر عالم کو کس نے حق دیا ہے کہ وہ آکر علماء کو مشورہ دے کہ تم یہ بھی کرلو؟ یہ بھی کرلو؟ یہ تو نبوت کا علم ہے، وحی کا علم ہے، اس کے لیے وہ علماء جو اس فن کو جانتے ہیں، وہی اس کا نصاب بنائیں گے اور وہ نصاب بنائیں گے جس کو مفید سمجھیں گے۔

دینی نظامِ تعلیم مرتب کرنے کا حق صرف علماء کو حاصل ہے:

ہمارے ہاں مدارس کے نظام و نصابِ تعلیم کے لیے تنظیمیں قائم ہیں۔ ہمارے ہاں نصاب کے لیے ایک مستقل کمیٹی ہے جو اس نصاب میں اصلاح کرتی ہے، اس میں کمی وبیشی ہوتی رہتی ہے، میں خود اس کا ممبر ہوں، تو آپ بتایئے ایک جاہل جس کو سورۃ فاتحہ صحیح پڑھنی نہیں آتی، وہ آ کر ہمیں کہتا ہے کہ یہ بڑھا دو، یہ بڑھا دو— میں آپ سے پوچھتا ہوں آپ جا کر میڈیکل کالج میں وہاں کے پرنسپل سے کہو، پرنسپل صاحب! آپ اس کالج میں انجینئرنگ کے مضمون کیوں نہیں رکھتے؟ آپ لاء (قانون) کے مضمون کیوں نہیں رکھتے؟ آپ سائنس کے مضامین کیوں نہیں رکھتے؟ اگر وہ کوئی بڑی شخصیت ہے تو بڑے ادب سے کہے گا کہ حضرت! ہم نے یہ میڈیکل کالج اس لیے بنایا ہے کہ یہاں اچھے ڈاکٹر پیدا کریں اور اچھے ڈاکٹر پیدا کرنے کے لیے جو نصاب ہوگا، وہی ہم رکھیں گے، ہم نے یہ میڈیکل کالج اس لیے نہیں بنایا کہ ہم آپ کو سائنس دان دیں، علماء دیں یا انجینئر دیں—اور اگر کوئی عام آدمی جا کر پرنسپل کو کہے تو وہ کہے گا کہ اس کو پاگل خانہ لے جاؤ—اب تم بتاؤ، دین کے معاملے میں یہ ہمیں کہتے ہیں کہ اس میں سائنس بھی رکھو، اس میں فلاں بھی رکھو، فلاں بھی رکھو، بھائی! ہم نے تو یہ مدرسے اس لیے کھولے ہیں تا کہ ان میں علوم نبوی کے حامل علماء پیدا ہوں، اس لیے نہیں کہ یہاں سے اکاؤنٹینٹ یا انجینئر وغیرہ پیدا ہوں— پھر یہ کتنی جاہلانہ اور غلط مثال دی جاتی ہے کہ یہاں سے جو نکلے، اس کو بینکوں میں نوکری مل جائے (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِک) کتنی بے شرمی اور بے عقلی کی بات ہے، کیا کوئی طالب علم سولہ سال دینی تعلیم اس لیے پڑھتا ہے کہ وہ حرام کی نوکری جا کر کرے؟ پھر یہ علم ہی اس لیے تو حاصل نہیں کرتے کہ ہم نوکریاں کریں گے، علم حاصل کرنے والا تو اس لیے یہ علم حاصل کرتا ہے کہ وہ خود بھی عمل کرے اور دوسروں سے عمل کرائے اور امت کی رہنمائی کرے، یہ ہے اصل کام!۔

اسلامی دور کے علم دوست مسلم حکمران:

ہمارے اسلامی دور میں جب بغداد میں بڑے بڑے مدرسے تھے، وہاں کے حکمران خود بھی بڑے علماء ہوتے تھے، وہ اپنا فرض سمجھتے تھے کہ اس دین کو پڑھائیں، اس دور کے ایک حکمران نے ایک رات حلیہ بدل کر چکر لگایا کہ دیکھیں طلباء کیا پڑھ رہے ہیں؟ اب وہ چکر لگا رہا ہے اور ہر طالب علم کے پاس جا کر پوچھتا ہے کیوں پڑھ رہے ہو؟، کوئی کہتا ہے کہ میں بڑا قاضی بنوں گا، کوئی کہتا ہے کہ جج بنوں گا، کسی نے کہا کہ میں

خطیب بنوں گا، حالاں کہ انہوں نے ان مناصب کا نام لیا جو دینی منصب ہیں، اب یہ بے چارہ دل میں سوچتا ہے کہ بھائی! ایسے مدرسہ کو تو بند کرنا چاہیے، ان کا مقصد تو خالص دنیا ہے، تنخواہیں ہے، وہ حکمران بددل ہوگیا، نکلتے نکلتے دیکھا کہ ایک صوفی سا طالب علم بیٹھا پڑھ رہا ہے، اس نے سوچا کہ چلو بھائی اس سے بھی پوچھ لو، اس کے پاس جا کر کہا کہ السلام علیکم! بھائی! آپ کیا پڑھ رہے ہیں؟ کیوں پڑھ رہے ہیں؟، طالب علم نے پہلے سلام کا جواب دیا اور پھر کہا کہ جناب اس لیے پڑھ رہا ہوں کہ ہم اللہ کے بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے احکام نازل کیے ہیں، اپنی کتاب اور سنت رسول اللہ کی صورت میں، میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ میرے ذمے اللہ نے کیا فرائض عائد کیے ہیں، تاکہ میں ان کو بجالاؤں اور کن چیزوں سے مجھے روکا ہے، ان چیزوں سے میں رک جاؤں، اس لیے پڑھتا ہوں، وہ حاکم ایک دم چونکا اور اس کی ساری رائے بدل گئی، اس نے کہا کہ جس ادارے میں اس جیسا ایک طالب علم بھی ہے، اس ادارے کو بند نہیں کرنا چاہیے، دیکھیے! اُس دور کے مسلمان حکمران تو دینی مناصب کی غرض سے پڑھنے پر بھی خوش نہیں ہور ہے اور آج ہمیں کہا جارہا ہے کہ یہاں سے طلباء نکلیں اور بینک میں ملازمت کریں (نَعُوْذُبِاللهِ) کوئی سمجھ کی بات کرو۔

قرآن وحدیث کی تفسیر وتشریح کا حق صرف علماء کو حاصل ہے:

ہمارے بعض لوگ جن کو اسلام کے بارے میں معلوماتِ عامہ (جنرل نالج) کے بارے میں کچھ شدبد ہے، وہ بھی مسلمانوں کو غلط مشورے دیتے ہیں، ایک کالم نویس نے لکھا کہ ''قرآن خود سمجھو'' سننے میں یہ بڑے میٹھے اور اچھے کلمات ہیں لیکن یہ زہر سے بھرے ہوئے ہیں، میں آپ کو صرف ایک جملے سے اس کا جواب دیتا ہوں، آپ خود سمجھ جائیں گے اگر یہی کالم نویس یہ لکھے کہ ڈاکٹروں نے علاج کا ٹھیکہ نہیں لیا، مسلمانو! میڈیکل کی تعلیم خود حاصل کرو، خود پڑھو، خود سمجھو، خود علاج کرو، تو جو حکم آپ اس کے بارے میں لگائیں گے، اس سے زیادہ بدتر حکم اس کے بارے میں لگائیں جو یہ کہتا ہے کہ قرآن کو خود پڑھو، خود سمجھو، خود عمل کرو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کی زبان عربی، وہ تو قرآنِ کریم خود سمجھ نہیں سکتے، خود نہیں پڑھ سکتے اور خود عمل نہیں کرسکتے اور ان کے لیے تو معلم کی ضرورت ہے اور معلم بھی وہ جو اللہ کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے، جس پر وحی آتی ہے، وہ تو معلم کے محتاج ہیں اور آج کا یہ جاہل کہتا ہے کہ نہیں خود پڑھو اور خود سمجھو۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ:

''ضلوا فاضلوا۔''(۵)

یعنی خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

اس کا ایک نمونہ میں آپ کو بتلاتا ہوں کہ ہر مسلمان جس نے حج اور عمرہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ سب کو اپنے گھر لے جائے اور دکھائے، آپ جانتے ہیں کہ بیت اللہ کے ساتھ ہی مقام ابراہیم ہے، جہاں آپ طواف کر کے دو رکعت نماز پڑھتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر وہ پتھر وہاں رکھا ہوا ہے اور روایات میں ہے کہ یہ پتھر جنت سے لایا گیا تھا اور جس کے اندر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان پیوست ہیں، یہ ان کا معجزہ تھا، اللہ نے ان نشانات کو باقی رکھا، قرآن نے کہا:

''وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى۔''(۲)

(یہاں دو رکعت نماز پڑھا کرو) جو حاجی بھی وہاں جاتا ہے، طواف کے بعد دو رکعت نماز مقام ابراہیم پر ادا کرتا ہے۔ لیکن ایک بدبخت کہتا ہے کہ مسلمان، پوری امت اور علماء جو مقامِ ابراہیم کا مفہوم سمجھے ہیں، وہ غلط ہے وہ مقامِ ابراہیم نہیں ہے۔ اسی کو کہتے ہیں ''ضلوا فاضلوا'' نماز میں بھی تاویلیں کرتے ہیں اور دوسرے احکام میں بھی تاویلیں۔ بھائی جس طرح آپ کسی جعلی حکیم یا جعلی ڈاکٹر کے پاس کبھی نہیں جاتے، آپ پوچھتے ہیں کہ بھائی کون اسپیشلسٹ ہے؟ کہاں کا پڑھا ہوا ہے تو اسی طرح دین کے معاملے میں بھی آپ کو یہ پرکھ لینا چاہیے کہ کون دین کا صحیح عالم اور ترجمان ہے۔

سندِ وفاق مساوی ڈبل ایم اے ہے:

میں عرض کر رہا تھا کہ ہمارا ایک بورڈ ہے جس کا نام وفاق المدارس ہے اور ان طلباء کا امتحان وہی وفاق لیتا ہے، جو کامیاب ہوتا ہے وہ اسے ڈگری دیتا ہے، ۱۹۷۴ء میں آپ کی پارلیمنٹ نے یہ طے کیا کہ مدرسوں کی یہ ڈگری ڈبل ایم اے ہے— ڈبل ایم اے یعنی عربی کے اندر بھی اور اسلامیات کے اندر بھی— تو اس تعلیم کو آپ حضرات معمولی نہ سمجھیں۔

محسنوں کی ناقدری یہودی طریقہ ہے:

ان مدارس سے چوں کہ دین پھیلتا ہے، روشنی پھیلتی ہے، اس لیے یہ اَعداءِ اِسلام کی آنکھوں میں کانٹا بنے ہوئے ہیں، اور ان کے خلاف پروپیگنڈہ ہو رہا ہے اور ان کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں۔

ہمیں اَفسوس تو اس پر ہے کہ ہمارے حکمران بھی ان کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں، یہ اپنی عقل سے کام نہیں لیتے، حالاں کہ ان کو چاہیے تھا کہ یہ شکریہ ادا کرتے کہ علماء ہمارے محسن ہیں۔

یاد رکھیے! اپنے محسنوں کو اِیذا دینا، اپنے محسنوں کی بے قدری کرنا، یہ یہودی ذہن ہے، یہودیوں کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

"وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَأْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ۔"(۷)

ترجمہ: ''اور قتل کرتے ہیں انبیاء کو ناحق اور قتل کرتے ہیں ان کو جو حکم کرتے ہیں انصاف کرنے کا لوگوں میں سے۔''

یعنی انہوں نے اپنے انبیاء کو قتل کیا اور جو ان کو اچھے کاموں کی طرف دعوت دیتے تھے ان کو قتل کیا۔

اور ہم ہر نماز میں اللہ سے یہ دعا مانگتے ہیں اور کہتے ہیں:

"اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔"(۸)

ترجمہ: ''بتلا ہم کو راہ سیدھی، راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا، نہ ان لوگوں کی جن پر تیرا غصہ ہوا اور نہ ان لوگوں کی جو گمراہ ہوئے۔''

ہم انبیاء کا راستہ مانگتے ہیں اور مغضوب اور ضالین کی راہ (سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں، ان سے) ہم پناہ چاہتے ہیں۔ اِدھر ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہم ان کے راستے پر چل رہے ہیں، یہ کون سی عقل مندی کی بات ہے؟ ہمیں تو چاہیے تھا کہ ''قوت نیکی نداری بدمکن'' اگر اچھا کام نہیں کر سکتے تو برائی نہ کرو اور حدیث میں ہے، ان طلباء سے پوچھ لو اسی بخاری شریف میں ہے کہ ان طلباء کو ''ضیوف الاسلام'' کہا جاتا تھا یعنی اسلام کے مہمان، بھائی آپ کے گھر میں کوئی مہمان آجائے تو آپ کتنی عزت کرتے ہیں؟ اگر خدانخواستہ کوئی اس کی بےعزتی کرے، آپ اس کو اپنی بےعزتی سمجھتے ہیں کہ نہیں؟ تو یہ اللہ کے مہمان ہیں ان کو گالیاں دینا، برا بھلا کہنا اس کا انجام دیکھ لو پھر کیا ہوگا؟ اللہ کے مہمان، اسلام کے مہمان، اللہ کو اگر اپنے مہمانوں کی توہین کی بنا پر غصہ آگیا تو تمہارا کیا حشر ہوگا، خود سوچ لو!۔

مدارس کی اصل اور بنیاد مسجد نبوی کا ''صفہ'' ہے:

اگر یہ علماء نہ ہوتے تو یہ پاکستان بھی نہ بنتا، استعمار کے آنے کے بعد اس پورے خطہ میں دین کو کس نے زندہ رکھا؟ انہیں علماء نے، انہیں مدرسوں نے، انہیں مساجد نے، مسجد ہمارا مرکز ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لے آئے، یہی مسجد ہماری عبادت گاہ تھی، یہی ہماری یونی ورسٹی تھی، یہی ہمارا محکمہ تھا، اسلام ظاہری ٹیپ ٹاپ کو نہیں دیکھتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انتظام نہیں کیا کہ مدینے میں بڑی

بڑی بلڈنگیں ہوں اور یونی ورسٹیاں ہوں، تب پڑھیں گے اور پڑھائیں گے، نہیں بلکہ اسی مسجد سے دینی تعلیم کا سلسلہ شروع کردیا، آج بھی ''صفہ'' کا چبوترہ اس مدرسہ کی یادگار موجود ہے، اللہ ہم سب کو لے جائے، اپنی آنکھوں سے دیکھو یہ وہ صفہ ہے جہاں مسلمان بچے قرآن پڑھتے تھے، دین سیکھتے تھے جن طلباء میں ایک ممتاز طالب علم حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ خلفاء راشدین اسی مدرسے کے شاگرد ہیں۔

زمانۂ نبوت سے اَعداءِ اِسلام کی طلباءِ دِین سے دُشمنی:

میں آپ کو بتاؤں اس وقت بھی دین کے دشمنوں نے ان کے خلاف پروپیگنڈہ کیا اور ان کو برا بھلا کہا قرآنِ کریم میں ہے، اس وقت کے منافقین اور دین دشمنوں نے کہا:

''لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ۔''(۹)

ترجمہ: ''البتہ اگر ہم پھر گئے مدینہ کو تو نکال دے گا جس کا زور ہے وہاں سے کمزور لوگوں کو۔''

منافقین نے مسلمان طلباء کو گالیاں دیں اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے نعرہ لگایا؟۔

''لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا۔''(۱۰)

ترجمہ: ''مت خرچ کرو ان پر جو پاس رہتے ہیں رسول اللہ کے یہاں تک کہ متفرق ہوجائیں۔''

یعنی یہ جو طلباء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد ہیں ان پر خرچ مت کرو، آج کی اصطلاح میں ان کو چندہ مت دو تاکہ وہ بھاگ جائیں، اس ظالم کو کیا پتا کہ یہ بھاگنے والے لوگ نہیں ہیں اور قرآن نے اس کا جواب دیا:

''وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ۔''(۱۱)

ترجمہ: ''اور اللہ کے ہیں خزانے آسمانوں اور زمین کے لیکن منافقین نہیں سمجھتے''۔

یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے ہاتھ کھینچ لیے تو یہ لوگ بھاگ جائیں گے، یہ بھاگنے والے لوگ نہیں ہیں۔ وہی ابوہریرہؓ پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے بعض دفعہ بھوک سے گر جاتے ہیں، لوگ سمجھتے ہیں مرگی کا دورہ پڑ رہا ہے، فرماتے ''ماکان الا الجوع'' مرگی کا دورہ نہیں تھا، وہ تو بھوک تھی، لیکن اللہ نے ان کو کہاں سے کہاں پہنچایا، بجائے اس کے کہ آپ ان اللہ کے مہمانوں کا شکریہ ادا کریں، آپ ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

اُمت کے ہر فرد کو ہر لمحہ علماء کرام کی رہنمائی کی ضرورت ہے:

اور پھر اس کے نصاب کو خراب کرنے کے لیے کہا جاتا ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ مدارس کے طلباء عوامی رد میں آجائیں، میں حیران ہوتا ہوں ان کی عقلوں پر! کیوں کہ عالم وہ ہے جو چوبیس گھنٹے اپنے مسلمان

بھائیوں کے ساتھ زندگی گزارتا ہے، آپ سے پوچھتا ہوں آپ پانچ وقت کے نمازی ہیں، آپ مسجد میں آتے ہیں یا نہیں؟ پانچ وقت آپ کا عالم سے رابطہ ہوتا ہے یا نہیں؟ جمعہ اور عیدین میں آپ آتے ہیں، بچہ پیدا ہوتا ہے تو آپ بھاگتے ہیں کہ جی مولانا صاحب! ذرا بچے کے کان میں اذان دے دیجیے اور کوئی اچھا سا نام رکھیں، بچہ ذرا بڑا ہوتا ہے، آپ کہتے ہیں کہ مولوی صاحب! اس کی بسم اللہ کرادیجیے، جوان ہوا اس کا اب نکاح پڑھادیجیے اور خدانخواستہ کوئی اللہ کو پیارا ہو گیا اس کا جنازہ پڑھادیجیے۔ کون سا مرحلہ ہے کہ عوام کا علماء سے رابطہ نہیں ہے؟ یعنی اس طرح غلط طریقے سے پیش کیا جاتا ہے جیسے عوام کسی اور دنیا میں رہتے ہیں اور علماء کسی اور دنیا میں۔ حالاں کہ تم دوسری دنیا میں رہتے ہو، چھ چھ مہینے تم شکل نہیں دکھاتے، کبھی ٹی وی پر آکر شکل دکھادیتے ہو، تمہیں چاہیے کہ تم عوام کے ساتھ آؤ، ان کے ساتھ پانچ وقت نمازیں پڑھو، ان کے ساتھ ملو، ان کے حالات معلوم کرو، عوامی دھارے کا مطلب کیا ہے؟ عوامی دھارے کے کیا یہی معنی ہیں کہ اِدھر نماز کا وقت ہوا، اُدھر امام صاحب بیوی کے ساتھ کسی کلب میں بیٹھا ہوا ہو؟ تلاش کرو، جی امام کہاں چلا گیا؟ یہ ہے اُن کے ہاں عوامی دھارے کا مطلب (نَعُوْذُ بِاللّٰہ) یہ لوگ شیطانی راستوں میں لے جانا چاہتے ہیں، بھائی! یہ مسجدیں، یہ مدرسے اُمت کے دین کی بقاء کا ذریعہ ہیں اور یاد رکھیے! اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ ہم نے اس دین کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے — تم ہزار کوششیں کرو، اعداء اِسلام بھی ہزار کوششیں کریں، ان شاء اللہ اس دین کو مٹا نہیں سکتے۔

مدارس اور اہل مدارس کا محافظ اللہ ہے:

یہ اللہ وہی ہے جس نے بیت اللہ کی حفاظت کی، آج بھی اس کی وہی طاقت ہے اس سے ڈرو، بڑے بڑے فرعونوں کو اللہ نے سزا دی ہے، فرعون جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا، جب سمندر میں غوطے کھا رہا تھا، تو اس وقت وہ بھی کہہ رہا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لایا۔ اس لیے میں کہتا ہوں دین اللہ کی طرف سے ہے اور ''ان لھذا الدین ربا یحمیہ'' اس دین کا بھی ایک رب ہے جس نے اس کو اتارا اور وعدہ کیا کہ وانا لہ لحافظون ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

دین کی حفاظت قیامت تک ایک جماعت حقہ کرتی رہے گی:

اس دین کی حفاظت دین والوں سے ہے، ان شاء اللہ جب تک یہ دنیا قائم ہے، یہ دین بھی قائم رہے گا، علماء قائم رہیں گے۔ دنیا کہیں سے کہیں چلی جائے، اللہ کی ایک جماعت اس دین کو سنبھالے رکھے گی اور

وہ ہر قسم کی قربانیاں دے گی، آپ یہ نہ سمجھیں کہ یہ دنیا کی کوئی مادی چیزیں ہیں کہ ذراسی کوئی تکلیف ہوئی تو یہ علماء بھاگ جائیں گے، یہ اللہ کے وہ نیک بندے ہیں، جنہوں نے اللہ سے وعدہ کیا ہے کہ دین کے لیے ہم جییں گے، دین کے لیے مریں گے، اسی کے لیے سب کچھ ہوگا، آپ دیکھ رہے ہیں کہ دین کی اشاعت کو علماء اپنا فرض سمجھتے ہیں، وہ اسباب کی طرف نہیں دیکھتے، جہاں جگہ مل گئی، دین کا کام شروع کر دیا۔

جامعہ بنوری ٹاؤن کے اِبتدائی ابتلاء وآزمائش کے حالات:

میں اپنے طلباء سے کہہ رہا ہوں جس ادارے سے آج آپ پڑھ چکے ہیں اور اس مرحلے تک پہنچے ہیں، یہ بڑی بڑی بلڈنگیں ماشاء اللہ یہ سب کچھ آپ دیکھ رہے ہیں، اس کی ابتداء اِس مسجد سے ہوئی ہے، جب اِسی مسجد کا پلستر بھی نہیں ہوا تھا، اس میں تپائیاں بھی نہیں تھیں، پنکھے بھی نہیں تھے، ایک استاذ وہاں بیٹھ رہا ہے، ایک اُس کونے میں بیٹھ رہا ہے، ایک اِس کونے میں بیٹھ رہا ہے، انہیں اوائل طلباء میں سے جنہوں نے اس کھردری زمین پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کی ہے، ایک آپ کے سامنے بیٹھا ہے۔

ادارہ چلانا، یہ کوئی پھولوں کی سیج نہیں، آدمی کو ہر قسم کی تکلیفوں کے لیے، اللہ کے دین کی خدمت کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے، ان شاء اللہ! آپ دیکھیں گے تھوڑی سی تکلیف آئے گی، لیکن جب بندہ صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مدد فرماتے ہیں۔

حضرت بنوریؒ نے اساتذہ کے لیے اعلان فرما دیا تھا کہ پیسہ آئے گا تو تنخواہ دیں گے، نہیں آئے گا تو جس کو پڑھانا ہے، پڑھائے، ورنہ چلا جائے حضرتؒ کے ساتھ ان کے دو مخلف دوست حصرت مولانا عبدالحق نافعؒ اور حضرت مولانا لطف اللہؒ جہانگیرہ والے تھے، ایک کمرہ میں تین استاذ رہتے تھے اور اس وقت صرف دو کمرے بنے تھے، اساتذہ بھی ایسے کہ ہمیں ملے نہ ملے مگر ہمیں پڑھانا ہے، تو ایک دن حضرت بنوریؒ فرماتے ہیں کہ میں اٹھا، مولانا لطف اللہ صاحب سے کہا کہ حضرت! آج میں نے خواب دیکھا ہے کہ کچھ پیسے آئیں گے، فکر نہ کریں، چوں کہ آپس میں بے تکلف تھے، مولانا لطف اللہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہاں! بلی کو خواب میں چھیچھڑے ہی نظر آتے ہیں، وہاں کونے میں حصرت بنوریؒ درس دیتے تھے، تو ایک حاجی صاحب تشریف لائے، اللہ تعالیٰ اُن کو جنت میں اُونچا درجہ دے، آج بھی اُن کا مسکراتا ہوا نورانی چہرہ، خوب صورت سفید داڑھی میرے سامنے ہے، نیکی ہمیشہ کام آتی ہے، اُن کے وزنِ اَعمال میں یہ سب چیزیں آئیں گی اور آج وہ بھی خوش ہو رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے: یا اللہ! جو میں نے آگے بھیجا تھا، وہ سب میرے سامنے آ رہا ہے: حدیث میں آتا ہے کہ:

"يقول العبد مالي مالي، وان ماله من ماله ثلاث: ما اكل فأفنى أو لبس فأبلى أو أعطى فأقتنى۔ وما سوى ذلك فهو ذاهب وتاركه للناس۔"(۱۲)

یعنی ''انسان کہتا ہے میرا مال، میرا مال نہیں بھائی، یہ تیرا نہیں ہے، یہ تیرے ورثاء کا ہے، تیرا تو وہ ہے جو تو نے کھایا، ختم ہو گیا اور جو تو نے پہنا، بوسیدہ ہو گیا اور جو اللہ کی راہ میں خرچ کیا، وہ آگے جمع ہو گیا۔''

آج اُن کے سامنے وہ سارا آ گیا ہو گا اور خوش ہو گئے ہوں گے، تو وہ حاجی صاحب ہاتھ میں تھیلا لیا ہوا آ کر حضرت سے پوچھتے ہیں کہ مولانا! میں نے سنا ہے کہ زکوٰۃ کا مال تنخواہوں میں دینا جائز نہیں ہے حضرت بنوریؒ نے فرمایا کہ: جی ہاں! مسئلہ یہی ہے، کیا آپ اپنے ملازمین کو زکوٰۃ سے تنخواہیں دیتے ہیں؟ حاجی صاحب نے کہا کہ نہیں! غیر زکوٰۃ سے، جب انہوں نے یہ بات سنی تو کہا کہ یہ لیجیے، یہ زکوٰۃ نہیں ہے، وہ تھیلا آپ کو دے کر چلے گئے، حضرت جب کمرہ میں گئے تو مولانا سے فرمانے لگے کہ یہ چھیچھڑے آ گئے ہیں، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے بزرگوں نے یوں کام شروع کیا ہے، ہمارا دین، حدیث اور وحی ہمیں یہی سکھاتی ہے کہ ہم ہر مسلمان کے خیر خواہ بنیں، عام لوگ ہوں، والدین ہوں، عزیز و اقارب ہوں، حتیٰ کہ حکمران ہوں۔

علم دُشمن کے لیے ہلاکت کی وعید:

میں اپنے حکمرانوں سے کہتا ہوں، خدا کے لیے اپنی آخرت خراب مت کرو، اگر تم کامیابی چاہتے ہو تو دین اور اہل دین سے محبت کرو۔ تم اگر بجائے محبت کے ان طلباء کے دشمن بن گئے تو پھر ہلاکت کا راستہ کھلا ہوا ہے، یہ اللہ کے مہمان ہیں، جو اللہ کے مہمانوں کو چھیڑے گا اور اس پر آہیں نکل گئیں تو پھر اپنے انجام کی فکر کرو! خدا کے لیے کچھ سوچو۔

نعمت پاکستان کی قدردانی اور حفاظت صرف تعمیل اِسلام سے ممکن ہے:

پاکستان اللہ نے ہمیں ایک نعمت کے طور پر دیا ہے، ہم جب چھوٹے چھوٹے تھے، سنتے تھے، ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ''، تو ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی برکت تھی کہ پاکستان بنا، اب اس کا شکر یہ ہے کہ دین کو مضبوطی سے پکڑو۔

ہمارے شیخ و مربی اور اُستاذِ محترم حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اسی منبر پر بیٹھ کر اس وقت کے حکام سے (اُس وقت مشرقی پاکستان ساتھ تھا) فرمایا کرتے تھے کہ سیاست کا تقاضا بھی یہی ہے کہ تم دین کو

مضبوطی سے پکڑو، اس لیے کہ ان دوٹکروں کو ملانے والی سوائے اسلام کے اور کیا چیز ہے؟ ظاہری طور پر مشرقی پاکستان اتنا دور اور درمیان میں دشمن ہے، دونوں کی زبان اور ثقافت اور ہر چیز مختلف ہے، اگر کوئی ملانے والی چیز ہے تو وہ ایمان کا رشتہ ہے، یہ رشتہ جتنا مضبوط ہوگا، اتنا ہم مضبوط ہوں گے۔

میں تو کہتا ہوں کہ یہ بچا ہوا پاکستان اس کو بھی ملانے والی جو چیز ہے وہ صرف اور صرف ایمان و اسلام ہے، اگر کامیابی اور بقا چاہتے ہو تو اسلام کو مضبوطی سے پکڑو، اللہ کی نافرمانیوں سے بچو اور ناشکری مت کرو۔

مغربی تہذیب سے اہل مغرب کی بے زاری:

ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ ہر بات میں ہم مغرب کی اندھی تقلید کرتے ہیں، کیا اس میں کامیابی ہے؟ کیا اس میں ترقی ہے؟ کہ آپ کھیل کود میں اور اچھلنے کودنے میں لگ جائیں کیا یہی ترقی ہے؟ آپ کے پاس اخلاقی قدریں ہوں، ایمانی قدریں ہوں، روحانی قدریں ہوں، یہ ہے ترقی اپنی قوم اور خود اپنے اندر یہ قدریں پیدا کرو، اُونچے اخلاق خود بھی اپناؤ اور اپنی قوم کو بھی اسی پر لگاؤ، یہ بچکانہ کھیل کود اور یہ گانا بجانا، میراثی، نائی یہ ترقی کی علامتیں نہیں ہیں، ہم سے زیادہ وہ لوگ اس کے اندر آگے ہیں، لیکن جو قوم اور طبقہ وہاں پر بھی، گانے بجانے، کھیل کود میں لگا ہوا ہے، وہ ان کے لیے وبالِ جان بنا ہوا ہے۔ پچھلے دنوں میں ایک مضمون پڑھ رہا تھا، وہاں کے ایک کالم نویس لکھتے ہیں کہ:

''ان کو شوٹ کر کے ختم کر دو، یہ گندی نسل ہے، ہمارے لیے وبال بنی ہوئی ہے۔''

افسوس کہ ہم چاہتے ہیں وہ گندگی یہاں بھی شروع کر دیں، قرآن کریم نے بنی اسرائیل کو یہ یاد دلایا ہے کہ اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ فرعون کی غلامی سے تمہیں نجات دلائی، فرعون تمہارے بچوں کو ذبح کرتا تھا، تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑتا تھا، تمہاری بڑی آزمائش تھی، اللہ کا شکر ادا کرو، اللہ نے ہمیں بھی آزادی دی، ہم استعمار کے غلام تھے، اللہ نے ہمیں آزادی دی، آزادی کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارے قومی دن کی ابتداء شکر سے ہو، دو رکعت نماز پڑھ کر شکر ادا کرو، اللہ کا شکر ادا کرو، لیکن آج ہم آنکھیں بند کر کے اس یورپ کی گندی تہذیب کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، جب نیا سال شروع ہوتا ہے، رات کے بارہ بجے وہی ناچ گانا، ناچ گانا، یہ کون سی ترقی ہے، خدا سے ڈرو، کہیں خدا کا عذاب نہ آجائے، تمہاری وجہ سے پوری قوم پر عذاب آئے گا، اللہ نہ کرے، اس میں کون سی اونچائی والی بات ہے۔

ایک حاکم کی صحیح سوچ اور فکر کیا ہو؟:

ایک حاکم کا بہت اُونچا دماغ ہونا چاہیے، وہ حاکم اُمت کے بارے میں سوچے، اُس کے اخلاق اَچھے ہوں، اُس کے اَعمال اَچھے ہوں، آج پورَا ملک بدامنی میں گھرا ہوا ہے، نہ کسی کی جان محفوظ ہے، نہ مال محفوظ، نہ عزت محفوظ، تم حکومت کرنے میں ناکام ہو چکے ہو، قوم کی جان، مال، عزت وآبرو کی تمہیں کوئی فکر نہیں ہے، فکر ہے تو اس بات کی کہ تم پتنگ اُڑاؤ، ناچو، گاؤ، اس سے تم ترقی کروگے؟ ایک مسلمان حاکم کی سوچ کتنی اُونچی ہوتی ہے، اس پر ایک مثال دے کر بات ختم کرتا ہوں:

غالباً ہارُون رَشید کا وَاقعہ ہے، پوری اِسلامی دُنیا کا حکمران، اُن کے دَربار میں ایک شخص آتا ہے، کہتا ہے، اَمیر المؤمنین! ایک کرتب جانتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ وہ کرتب آپ کے سامنے آپ کو دِکھاؤں، وہ کرتب یہ ہے کہ میرے پاس ایک سو سوئیاں ہیں، ایک سوئی کو زور سے زمین پر میں یوں پٹختا ہوں، وہ کھڑی ہوجاتی ہے، دُوسری کو مارتا ہوں اُس کے سورَاخ میں چلی جاتی ہے، تیسری اُس کے سورَاخ میں، اِسی طرح کرتے کرتے سو کی سو سوئیاں، ایک دُوسرے کے سورَاخ میں چلی جاتی ہیں اور سوئیوں کا اِس طرح ایک درخت بن جاتا ہے، دیکھا جائے تو وَاقعی یہ بڑی مہارَت کی بات ہے، اَمیر المؤمنین نے اِعلان کیا کہ ایک سو دِینار اِسے اِنعام دِیا جائے، وہ آدمی بڑا خوش ہوا کہ میری قدر ہوئی ہے، تھوڑِی دیر کے بعد دُوسرا اِعلان کیا کہ اِس کو ایک سو دُرّے بھی لگاؤ، وہ شور کرنے لگا، رونے لگا اور کہنے لگا کہ اَمیر المؤمنین! میں نے کیا قصور کیا؟ اَمیر المؤمنین نے جواب دِیا کہ اِنعام تو اِس لیے دِیا کہ وَاقعی تو نے اِس میں محنت کی ہے، لیکن سو کوڑے اِس لیے لگوائے کہ تیری اِس سارِی محنت سے اُمت کو کیا فائدہ؟ بے کار اور فضول کام میں محنت اور وَقت کو ضائع کیا؟— یہ تھی ایک حکمران کی سوچ— کہ تمہارِی اِس محنت سے اُمت کو کیا فائدہ پہنچا، تو نے اَپنی محنت ضائع کی۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں، تمہارِی اِن پتنگ بازیوں سے اُمت کو کیا فائدہ پہنچا؟ بیسیوں لوگوں کو پتنگ بازِی کے ذریعہ تم نے ہلاک کیا، سینکڑوں کو زخمی کیا، بے حیائی اور زیادہ پھیلی اور پتہ نہیں دُنیا جہاں کے اور کیا کیا خرافات ہوتے ہیں؟ کیا یہ ترقی ہے؟ اور یہ سوچ ہے حکمرانوں کی؟ پتنگ بازِی تو بچوں کا کام ہے، حدیث میں ہے:

”لزوال الدنیا أھون عند اللّٰہ من قتل رجل مسلم۔“(۱۳)

”دنیا و مافیہا تباہ ہوجائے، اللہ کے ہاں اتنا نقصان وَالی بات نہیں ہے جتنا
کہ ایک مسلمان شخص کے قتل ہوجانے کا نقصان ہے۔“

بیسیوں پتنگ بازِی میں مرتے ہیں، اللہ تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے، اللہ محفوظ فرمائے۔

حواشی وحوالہ جات

(۱)۔۔۔العنکبوت: ۶۹ (۲)۔۔۔ترمذی ۱۳۸۲ (۳)۔۔۔بیھقی ۲۷۷ (۴)۔۔۔البقرہ: ۲۰۵
(۵)۔۔۔شرح السنۃ للبغوی، کتاب الایمان، باب قول اللّٰہ عزوجل یوم نقول لجھنم ھل امتلأت: ۱/(۲)۔۔۔البقرۃ: ۱۲۵ (۷)۔۔۔آلِ عمران: ۲۱ (۸)۔۔۔الفاتحۃ
(۹)۔۔۔المنافقون: ۸ (۱۰)۔۔۔المنافقون: ۷ (۱۱)۔۔۔المنافقون: ۷ (۱۲)۔۔۔مشکاۃ المصابیح: ۱۰۹۲ (۱۳)۔۔۔سنن النسائی، کتاب المحاربۃ، ح: ۳۹۹۲، ط: دار السلام

دفتر وفاق کے دیرینہ کارکن اسلام شاہ صاحب کی وفات

گزشتہ ماہ مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے دیرینہ اور باوفا کارکن معاون محاسب جناب اسلام شاہ صاحب انتقال کر گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اسلام شاہ صاحب مرحوم تقریباً اٹھارہ انیس برس کی عمر میں ادارے سے وابستہ ہوئے اور کامل ۲۶/برس دفتر وفاق میں خدمات انجام دیں۔آخری دنوں میں طبیعت کچھ علیل ہوئی،لیکن ٹھیک ہونے پر دفتر آنے لگے، دفتر میں ہی انہیں ہارٹ اٹیک ہوا اور اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔مرحوم خوش مزاج، ملنسار اور ہر دلعزیز تھے۔صاف دل، لگی لپٹی رکھے بغیر بات کہنے کے عادی تھے۔کسی بھی مقام پر ان کی موجودگی ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے کافی ہوتی تھی۔

اکابر دیوبند کے سچے شیدائی تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں پانچ بیٹوں سے نوازا؛ سب کے نام اکابر دیوبند کے نام پہ رکھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی حسنات کو؛ خصوصاً وفاق المدارس جیسے عظیم دینی ادارے میں خدمات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، ان کی کامل مغفرت فرمائے، اور اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین!۔(مدیر ماہنامہ ’وفاق المدارس)

صحیح مسلم کے ابواب وتراجم

مولانا کامران اجمل
جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

حسن ترتیب اور مضامین وموضوعات کی تقسیم ہر کتاب کی نہ صرف ضرورت ہوتی ہے؛ بلکہ اس سے استفادہ کی آسانی اور مطلوبہ مضمون وموضوع تک رسائی کا ذریعہ بھی بنتی ہے۔ موضوعات کے اعتبار سے کتابوں کی تقسیم کا ثبوت خود آسمانی کتابوں سے بھی ملتا ہے؛ بلکہ ان کتابوں کو اس چیز کے لیے بنیاد کہنا چاہیے، مثلاً: زبور سے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کے موضوعات ومضامین مواعظ وحکم کے عنوان کے تحت آتے ہیں، یعنی وہ مواعظ وحکم کی کتاب ہے؛ جبکہ تورات وانجیل میں کئی موضوعات تھے، جو مواعظ وحکم کے علاوہ احکام وآداب وغیرہ سے متعلق تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم کے ساتھ جب موضوعات کے اعتبار سے سابقہ کتابوں کا مقارنہ کیا جاتا ہے تو تورات وانجیل کو مقدم ذکر کیا جاتا ہے؛ کیونکہ ان دونوں کتابوں میں موضوعات کی تقسیم اور تنوع کا سلسلہ قرآنِ کریم کے قریب قریب ہے۔(۱) پھر قرآن کریم میں بھی (سورتوں کی شکل میں) عنوانات موجود ہیں اور یہ عنوانات (سورتوں کے نام) اجتہادی نہیں؛ بلکہ توقیفی ہیں،(۲) کیونکہ جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں آیت کے ساتھ لکھ دو۔(۳) معلوم ہوا کہ قرآن میں عنوانات موجود ہیں؛ لیکن قرآن کریم صرف فقہ یا احکام کی کتاب نہیں؛ بلکہ یہ کتاب عام ہدایت کے لیے نازل کی گئی ہے؛ اس لیے اس کے عنوانات میں بجائے فقہی ترتیب کے عام ترتیب اختیار کی گئی ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو مسائل واحکامات لکھوائے، وہ بھی خاص مسائل پر مشتمل تھے، مثلاً: بعض صحابہ کرام کے پاس دیت کے مسائل تھے۔(۴) بعض کے پاس زکوۃ سے متعلق مسائل تھے۔(۵) ان پر اگر عنوانات قائم نہ بھی کیے گئے ہوں؛ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ یہ مسائل یکجا تھے اور صحابہ کرام نے انھیں خاص نام دیے تھے۔(٦) پھر اس کے بعد ائمہ کرام رحمہا اللہ نے جو تصانیف فرمائیں، وہ بھی ابواب پر مشتمل تھیں؛ مگر ابواب کی موجودہ فقہی ترتیب علمائے احناف کا کارنامہ ہے۔(۷) پھر امام مالک رحمہ اللہ نے یہ ترتیب اختیار کی اور یہی ترتیب چلتی رہی، حتیٰ کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے ابواب وتراجم ان کا خاصہ شمار ہونے لگے اور ان پر باقاعدہ کتابیں لکھی گئیں، تاہم صحیح مسلم کے ابواب کے بارے میں آراء مختلف رہیں کہ اس میں قائم کردہ ابواب امام مسلم رحمہ اللہ

کے ہیں یا نہیں، اگر چہ بالاتفاق امام مسلمؒ نے احادیث کو ابواب کی ترتیب پر ذکر کیا، جس میں وہ (بعض کے ہاں) امام بخاریؒ سے سبقت لے گئے؛ کیونکہ امام مسلمؒ نے اس عمدہ انداز میں احادیث کو ذکر کیا ہے کہ ان کی کتاب سے استفادہ بہ نسبت امام بخاریؒ کی کتاب کے آسان ہے،(۸) کیونکہ امام بخاریؒ نے استنباطِ مسائل کے لیے احادیث کے اجزاء کو مختلف ابواب کے تحت ذکر کیا ہے جس سے استفادہ مشکل ہے؛ جبکہ امام مسلمؒ نے تمام روایتیں یکجا جمع کر دیں، جس کی وجہ سے استفادہ آسان ہے۔(۹) صحیح مسلم کے ابواب وتراجم صحیح مسلم کے عنوانات کس نے قائم کیے ہیں؟ اس بارے میں تین قسم کی رائیں ہیں:

پہلی رائے ڈکتور یحییٰ اسماعیل کا خیال ہے کہ صحیح مسلم کے ابواب خود امام مسلم رحمہ اللہ کے قائم کردہ ہیں اور یہ کہنا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے ابواب قائم نہیں کیے، طلبہ کی عمومی اور متخصصینِ علومِ حدیث کی خصوصی غلطی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

أن الاکمال کشف عما جاء فی بعض النسخ لصحیح مسلم من تبویب و تراجم غابت عن کثیرٍ من الشراح الذین تناولوا النسخ غیر المبوبة، حتی ذاع -خطأ- بین طلبة العلم بعامة، و المتخصصین فی الحدیث و علومه بخاصة، أن مسلما لم یبوّب کتابه و أن البخاری فضل علیه فی ذلک، و ذلک فی مثل ما جاء فی کتاب الطهارة، باب التطییب بعد الغسل من الجنابة، قال: عقبه القاضی: و بذلک بطل من ادعی أن مسلما لم یبوب کتابه (۱۰)

ان کا استدلال قاضی عیاضؒ کی درج ذیل عبارت سے ہے:

"قال القاضی: ترجم البخاری علی الحدیث: من بدأ بالحلاب و الطیب، و قد وقع لمسلم فی بعض تراجمه من بعض الروایات مثل ترجمة البخاری علی هذا الحدیث، و نصه: باب التطییب بعد الغسل من الجنابة (۱۱)

اس عبارت سے موصوف کا استدلال ہے کہ مذکورہ ابواب خود امام مسلم رحمہ اللہ کے قائم کردہ ہیں۔ علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے "سباحۃ الفکر" میں ایک عبارت ذکر کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس بات کے قائل تھے، لکھتے ہیں:

و الی هذا أشار مسلمؒ فی صحیحه بعنوان الباب (۱۲)

دوسری رائے یہ ہے کہ صحیح مسلم میں موجود کتب کے عنوانات خود امام مسلم رحمہ اللہ نے لگائے ہیں اور ذیلی عنوانات امام مسلم رحمہ اللہ نے خود نہیں لگائے۔ ابوعبیدہ مشہور بن حسن فرماتے ہیں:

ومن الجدير بالذكر أن مسلماً هو الذی وضع عناوین الکتب الرئیسة فی صحیحه (۱۳)

ان کا استدلال ان کتب میں موجود عنوانات سے ہے، جو انتہائی مقدم مصنّفین کی لکھی ہوئی ہیں:

ولذا تجد أن لها ذکراً فی کتب الأقدمین (۱۴)

جیسا کہ رجال مسلم پر کلام کرنے والے پانچویں صدی ہجری کے عالم ابن منجویہ (۳۴۷-۴۲۸ھ) کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں:

احمد بن محمد بن حنبل...... روی عن: محمد بن جعفر غندر فی الایمان، وعن هشیم بن بشیر فی الایمان، وعن معتمر بن سلیمان فی الصلاة والجهاد" (۱۵)

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ثابت بن الضمان...... روی عنه أبو قلابة فی الایمان وعبد الله بن معقل فی البیوع (۱۶)

کتاب کے شروع سے آخر تک تمام راویوں کا ذکر فرما کر یہ نشاندہی کی ہے کہ ان کی روایت فلاں کتاب میں ذکر ہے اور وہ رواۃ انھیں کتب میں موجود ہیں جن کا ذکر موصوف نے کیا ہے؛ البتہ بعض مقامات پر ابن منجویہ کے عنوانات اور صحیح مسلم کے مطبوعہ نسخہ کے عنوانات میں کچھ فرق پایا جاتا ہے، جس کی طرف "الامام مسلم بن الحجاج ومنهجه فی الصحیح وأثرها فی علم الحدیث" کے مؤلف نے اشارہ کیا ہے۔ (۱۷)

تیسری رائے یہ ہے کہ امام مسلمؒ نے نہ کتب کے عنوانات خود لگائے ہیں اور نہ ہی ابواب کے؛ بلکہ یہ کاوش امام نوویؒ کی ہے۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں:

ان مسلما رتب کتابه علی الأبواب، فهو مبوَّب فی الحقیقة، ولکنه لم یذکر تراجم أبواب فیه لئلا یزداد حجمُ الکتاب أو لغیر ذلک وقد ترجم جماعة أبوابه بتراجم بعضها جید وبعضها لیس بجید اما لقصور فی عبارة الترجمة أو لرکاکة فی لفظها واما لغیر ذلک وأنا أحرص علی التعبیر عنها بعبارات تلیق بها فی مواطنها (۱۸)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا بیان ہے:

واعلم أن صحیح مسلم قد قرئ علی جامعه مع خلو أبوابه عن التراجم

پھر امام نوویؒ کی مذکورہ بالا عبارت کو بعینہٖ نقل فرما کر آگے لکھتے ہیں:

والانصاف أنه لم یترجم الی الیوم بما یلیق بشأن هذا المصنف الجلیل (۱۹)

ہمارے ہاں برِصغیر پاک وہند میں بھی یہی بات رائج اور مشہور ہے کہ صحیح مسلم کے ابواب امام نوویؒ نے قائم کیے

ہیں؛لیکن یہ بات کس حد تک صحیح ہے،اسے ہم آگے ذکر کریں گے۔

پہلی رائے پر تبصرہ : جہاں تک پہلی رائے کا تعلق ہے،تو وہ کئی وجوہات کی بنا پر درست معلوم نہیں ہوتی۔پہلی وجہ خود قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ

وقد وقع لمسلم فی بعض تراجمہ من بعض الروایات مثل ترجمة البخاری (۲۰)

اس عبارت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ عنوانات بعض حضرات کی روایت میں ہیں، دیگر نسخوں میں نہیں ہیں؛لیکن ڈکتور یحییٰ اسماعیل نے اپنے مقدمہ میں قاضی عیاضؒ کی عبارت سے عجیب استدلال کیا ہے،موصوف کا بیان ہے:

ان الاکمال کشف عما جاء فی بعض النسخ لصحیح مسلم من تبویب و تراجم، غابت عن کثیر من الشراح الذین تناولوا النسخ غیر المبوبة (۲۱)

ملاحظہ فرمایئے کہ عبارت میں خود ذکر کیا "**فی بعض النسخ**" کہ یہ عنوانات بعض نسخوں میں ہیں،اکثر میں نہیں، جیسا کہ خود صراحت کی کہ "**غابت عن کثیرٍ من الشراح**" اس کے باوجود دعوی یہ کیا کہ "یہ کہنا کہ صحیح مسلم کے ابواب امام مسلم رحمہ اللہ نے نہیں لگائے،غلطی ہے"۔

یہ استدلال عجیب اس اعتبار سے ہے کہ موصوف نے خود ذکر کیا کہ اکثر شراح کے نسخوں میں عنوانات موجود نہیں، پھر ان اکثر کے مقابلے میں ایک قاضی عیاضؒ کے نسخے میں موجود ہونے سے ترجیح کیسے ثابت ہوئی؟

ایک وجہ ترجیح جو ڈکتور موصوف نے ذکر کی ہے، وہ یہ ہے کہ قاضی عیاضؒ کے پاس امام مسلمؒ کے شاگردوں کا نسخہ تھا،جس سے انہوں نے صحیح مسلم کو لیا ہے اور اس میں یہ ابواب موجود ہیں:

لقد حصل القاضی صحیح مسلم المسمی عندہ "المسند الصحیح المختصر من السنن،، من نسختین: أولاهما: نسخة الجلودی، وهی روایة عن ابراهیم بن سفیان المروزی عن الامام مسلم، وهی النسخة المعتمدة المشهورة۔ الثانیة: نسخة القلانسی (۲۲)

لیکن یہ بات ترجیح کا سبب نہیں بن سکتی؛ کیونکہ ممکن ہے کہ مذکورہ ابواب امام مسلمؒ کے کسی شاگرد نے لگائے ہوں، نہ کہ امام مسلم نے اور اس پر یہ دلیل بھی ہے کہ دیگر حضرات کے ہاں یہ عنوانات موجود نہیں۔دوسری وجہ قاضی عیاضؒ (۵۴۴ھ) کے علاوہ دیگر علماء کی رائے یہی ہے کہ صحیح مسلم ابواب وتراجم سے خالی ہے،جیسا کہ ابن صلاحؒ،علامہ سیوطیؒ اور دیگر حضرات نے ذکر کیا ہے۔علامہ ابن صلاحؒ (۶۴۳ھ) لکھتے ہیں:

ثم ان مسلماً رحمه الله وايانا رتب كتابه على الأبواب فهو مبوب فى الحقيقة، ولكنه لم يذكر فيه تراجم الأبواب، لئلا يزداد بها حجم الكتاب أو لغير ذلک وتحريه رحمه الله فيه ظاهر (۲۳)

امام بقاعیؒ (۸۸۵ھ) فرماتے ہیں:

انه ليس فيه (مسلم) بعد خطبته الا الحديث الصحيح مسروداً، غير ممزوج بمثل ما فى كتاب البخارى فى تراجم أبوابه من الأشياء التى لم يسندها على الوصف المشروط فى الصحيح، فهذا لا بأس به (۲۴)

علامہ سیوطیؒ (۹۱۱ھ) کا بیان ہے:

ان كتاب مسلم يترجح بأنه لم يمازجه غير الصحيح فانه ليس فيه بعد الخطبة الا الحديث الصحيح مسروداً غير ممزوج بمثل ما فى كتاب البخارى فى تراجم أبوابه من الأشياء التى لم يسندها على الوصف المشروط فى الصحيح (۲۵)

امیر صنعانیؒ (۱۱۸۲ھ) تحریر فرماتے ہیں:

تفضيل صحيح مسلم ان كان المراد به أن كتاب مسلم يترجح بأنه لم يمازجه غير الصحيح، قال ابن الصلاح: فانه ليس فيه بعد خطبته الا الحديث الصحيح مسروداً غير ممزوج (۲۶)

بلکہ خود قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں:

قال الشيخ المحدث أبو مروان الطبنى كان من شيوخى من يفضل كتاب مسلم على كتاب البخارى (۲۷)

اس عبارت میں تفضیل کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

وقد وجدت تفسير هذا التفضيل فى فهرست أبى محمد القاسم التجيبى قال كان أبو محمد بن حزم يفضل كتاب مسلم على كتاب البخارى، لأنه ليس فيه بعد خطبته الا الحديث السرد وعندى أن ابن حزم هذا، هو شيخ الطبنى الذى أبهمه القاضى عياض (۲۸)

یہی بات علامہ لکھنویؒ (۱۳۰۴ھ) نے لکھی: "كان أبو محمد بن حزم يفضل كتاب مسلم على كتاب البخارى"۔ (۲۹)

علامہ سیوطیؒ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

ثم انه سلک فى كتابه طريقةً حسنةً بحيث فضل بسببها على صحيح البخارى وذلک انه يجمع

المتون بطرقها فی موضع واحد ولایفرقها فی الأبواب، ویسوقها تامةً ولایقطعها فی التراجم، ویحافظ علی الاتیان بلفظها ولایروی بالمعنی ولم یخلط معها شیأً من أقوال الصحابة ومن بعدهم، حتی و لا الأبواب والتراجم - کل ذلک حرصا علی أن لایدخل فی الحدیث غیره، فلیس فیه بعد المقدمة الا الحدیث السرد، ومایوجد فی نسخه من الأبواب مترجمة فلیس من صنع المؤلف (۳۰)

پھر قاضی عیاضؒ کی سابقہ عبارت اور علامہ سیوطیؒ کی وضاحت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ خود قاضی عیاضؒ نے تفضیل مسلم کا مسئلہ ذکر کیا اور اس پر رد بھی نہیں کیا، جو دلیل ہے کہ اس قدر تفضیل کے قاضی صاحبؒ بھی قائل تھے، لہٰذا یہ دعوی کرنا کہ قاضی عیاضؒ اس بات کے قائل ہیں کہ مسلم کے ابواب خود امام مسلمؒ نے قائم کیے، درست معلوم نہیں ہوتا۔

یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ دکتور یحییٰ اسماعیل نے قاضی عیاض رحمہ اللہ کی طرف جو عبارت منسوب کی ہے کہ قاضی عیاضؒ نے "باب التطییب بعد الغسل من الجنابة" میں فرمایا ہے کہ "وبذلک بطل من ادعی أن مسلما لم یبوب کتابه"۔(۳۱)

مذکورہ عبارت اکمال المعلم میں اس باب کے تحت نہیں ملی؛ حالانکہ یہ نسخہ خود دکتور موصوف کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوا ہے، پھر بھی یہ عبارت اس میں نہ ملی، ممکن ہے کہ بعض نسخوں میں ہو؛ لیکن اس کی طرف دکتور موصوف کو اشارہ کرنا چاہیے تھا؛ لیکن موصوف نے اشارہ بھی نہ کیا، لہٰذا معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ عبارت قاضی صاحبؒ کی نہیں؛ بلکہ ان کی عبارت سے دکتور موصوف نے نتیجہ نکالا ہے، جو کہ درست نہیں۔

تیسری وجہ: مسلم شریف کے مخطوطات اور اسی طرح شارحین کے ابواب میں اس قدر تفاوت کا پایا جانا بھی دلیل ہے کہ یہ عنوانات امام مسلمؒ کے لگائے ہوئے نہیں ہیں، مثلا: علامہ ابوالعباس قرطبی کے عنوانات الگ ہیں، امام نوویؒ اور علامہ أبیؒ کے عنوانات الگ ہیں۔

مخطوطات میں ابن خیر کا نسخہ جو سب سے نفیس مخطوطہ شمار ہوتا ہے (۳۲) اور مکتبۃ القرویین میں موجود ہے، اس میں موجود عنوانات امام نوویؒ کے عنوانات سے مختلف اور زائد ہیں، مثلاً: کتاب التفسیر میں مطبوعہ نسخوں میں ذیلی کوئی عنوان نہیں؛ جبکہ ابن خیر کے مخطوطہ میں کتاب التفسیر میں کئی ابواب قائم کیے گئے ہیں۔

رہی بات علامہ لکھنویؒ کی "سباحۃ الفکر" میں ذکر کردہ عبارت کی تو ممکن ہے کہ موصوف کو ذہول ہو گیا ہو؛ کیونکہ ماقبل میں صحیح مسلم کی صحیح بخاری پر فضیلت کے وجوہات میں یہ بات ان کے حوالے سے گزر چکی کہ امام مسلمؒ کی

کتاب میں ابواب نہیں۔

دوسری رائے پر تبصرہ : دوسری رائے ممکن ہے کہ کسی حد تک درست ہو، اسی وجہ سے ان کے قریب زمانے کے مصنفین کی کتابوں میں بھی موٹے موٹے عنوانات کا ذکر ہے، جیسا کہ ماقبل میں ابن منجویہؒ (۴۲۸ھ) کے حوالہ سے گزرا؛ لیکن یہ بات یقین سے اس لیے نہیں کہی جاسکتی ہے کہ جس طرح یہ امکان ہے کہ امام مسلمؒ نے عنوانات لگائے ہوں، یہ بھی امکان ہے کہ یہ عنوانات ان کے کسی شاگرد نے لگائے ہوں؛ کیونکہ ابن منجویہؒ براہِ راست امام مسلمؒ کے شاگرد نہیں؛ بلکہ بعد کے ہیں اور ان تک پہنچے ہوئے مخطوطات امام مسلمؒ کے شاگردوں یا ان کے بھی بعد کے لکھے ہوئے ہوں گے۔

تیسری رائے پر تبصرہ: تیسری رائے سے متعلق عرض یہ ہے کہ اتنی بات تو واضح ہے کہ صرف امام نوویؒ نے صحیح مسلم کے ابواب نہیں باندھے؛ بلکہ ان سے پہلے بھی صحیح مسلم کے عنوانات لگائے گئے ہیں، جیسا کہ ماقبل میں ذکر ہوا؛ البتہ یہ کہنا بے جا نہیں کہ ہمارے ہاں متداول نسخے کے عنوانات امام نوویؒ کے ہوں؛ کیونکہ خصوصاً ہمارے دیار میں بعد کے علماء نے صحیح مسلم کو امام نوویؒ کی شرح کے ساتھ شائع کیا ہے؛ اس لیے ان کی طرف نسبت کی گئی ہے، ورنہ عنوانات لگانے والے اور حضرات بھی ہیں؛ بلکہ علامہ سیوطیؒ نے بعض اہلِ اندلس سے نقل کیا ہے کہ صحیح مسلم کے عنوانات قاضی عیاضؒ نے لگائے ہیں، ملاحظہ ہو:

وذكر ابن دحية في شرح التحرير أن الذي ترجم أبوابه القاضي"(۳۳)

اسی طرح ابوالعباس احمد بن عمر القرطبیؒ (۶۵۶ھ) نے مسلم کے ابواب ذکر کیے ہیں، ملا کاتب چلپیؒ فرماتے ہیں:

شرح أبي العباس أحمد بن عمر بن ابراهيم القرطبي المتوفى سنة ست وخمسين وستمائة وهو شرح على مختصره له، ذكر فيه أنه لما لخصه ورتبه وبوبه شرح غريبه ونبه على نكت من اعرابه (۳۴)

بلکہ صاحب کشف الظنون کے مطابق مسلم کے ابواب کئی حضرات نے لگائے ہیں۔ لکھتے ہیں:

ان مسلماً رتب كتابه على الأبواب ولكنه لم يذكر تراجمَ الابواب و قد ترجم جماعة أبوابه۔(۳۵)

معلوم ہوا مسلم کے ابواب وغیرہ کے عنوانات لگانے والے صرف امام نوویؒ نہیں ہیں؛ بلکہ ان سے پہلے بھی عنوانات لگائے گئے ہیں، جیسا کہ قاضی عیاضؒ متوفی ۵۴۴ھ اور ابوالعباس القرطبیؒ متوفی ۶۵۶ھ کے متعلق ماقبل

میں گزرا۔اس بات کی صراحت خود امام نوویؒ نے بھی کی ہے کہ مجھ سے پہلے بھی عنوانات لگائے گئے تھے؛لیکن بعض سے مقصود ادا نہیں ہوتا تھا اور بعض کے الفاظ عمدہ نہ تھے؛اس لیے میں نے یہ عنوانات قائم کیے ہیں،فرماتے ہیں:

وقد ترجم جماعة أبوابه بتراجم بعضها جيد وبعضها ليس بجيد اما لقصورٍ في عبارة الترجمة او لركاكة لفظها واما لغير ذلك وأنا أحرص على التعبير عنها بعبارات تليق بها في مواطنها (۳۶)

اس عبارت سے جہاں امام نوویؒ سے پہلے لگائے گئے تراجم ابواب کا پتہ چلتا ہے، یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ امام نوویؒ کی شرح میں موجود تمام عنوانات امام موصوف کے قائم کردہ نہیں ہیں؛ بلکہ سابقہ عنوانات میں موصوف نے جہاں ضرورت محسوس کی، وہاں تبدیلی کی ہے؛ کیونکہ بعض عنوانات کو امام مرحوم نے خود جیّد (عمدہ) کہا ہے اور ظاہر ہے کہ جب عنوان عمدہ ہو تو اس کے تبدیل کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ البتہ جن کے الفاظ عمدہ نہ تھے یا تعبیر میں نقص تھا، وہاں عنوان تبدیل کیا؛ اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام نوویؒ نے تمام عنوانات نہیں لگائے؛ بلکہ جہاں تبدیلی کی ضرورت محسوس کی، وہاں پر عنوان تبدیل کیا ہے۔

اس بات کی تائید دیگر شروحات میں موجود عنوانات سے بھی ہوتی ہے؛ کیونکہ ان کے بعض عنوانات اور امام نوویؒ کے قائم کردہ عنوانات میں اشتراک پایا جاتا ہے، مثلاً: "**المفهم**" میں "**باب فضل مجالس الذكر، باب مايقول عند النوم وأخذ المضجع، باب في الفتنة التي تموج كموج البحر، باب في صفة الدجال وما يجئ معه من الفتن**" کے ابواب علامہ ابوالعباس قرطبیؒ نے قائم کیے ہیں، یہ عنوانات امام نوویؒ کی کتاب میں بھی اسی طرح موجود ہیں اور ابوالعباس قرطبیؒ امام نوویؒ سے مقدم بھی ہیں۔اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ تمام عنوانات امام موصوف کے نہیں؛ بلکہ سابقہ ابواب میں کچھ تبدیلی کی ہے۔

امام نوویؒ کے تراجم ابواب:

امام نووی رحمہ اللہ تراجم ابواب کے قائم کرنے میں کس قدر کامیاب رہے،اس کے متعلق عرض کرنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ تراجم نوویؒ کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت اس قدر عطا فرمائی کہ ان کے بعد تراجم ابواب کی نسبت عموماً انہیں کی طرف کی جاتی ہے۔لیکن نفس عنوانات کے بارے میں یہ بات ملحوظ رہے کہ امام نوویؒ نے جو عنوانات قائم کیے ہیں، ان میں بسا اوقات فقہی مذہب کی طرف میلان پایا جاتا ہے،جس کی وجہ سے وہ بسا اوقات عبارتِ حدیث سے صرفِ نظر کر کے عنوان قائم کر کے کسی ایسے مسئلہ کو ثابت کرتے ہیں، جو اس میں موجود نہیں ہوتا۔ مثلاً حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی "**وضع يده اليمنى على اليسرى**" والی حدیث پر عنوان قائم کیا

"باب وضع يده اليمنى على اليسرى بعد تكبيرة الاحرام تحت صدره فوق سرته ووضعهما فى السجود على الارض حذو منكبيه" اس حدیث میں کہیں پر"تحت صدره فوق سرته" کے الفاظ نہیں ہیں؛ لیکن باب میں اسے ذکر کیا ہے۔(۳۷)

اسی طرح "باب استحباب تحية المسجد بركعتين وكراهة الجلوس قبل صلوتهما وانها مشروعة فى جميع الأوقات" کا عنوان (مسلم:۱/ ۲۴۸) قائم کیا؛ حالانکہ"وانها مشروعة فى جميع الأوقات" کتاب میں موجود دونوں روایتوں میں سے کسی میں نہیں ہے، اس قسم کی مثالیں امام نوویؒ کے عنوانات میں کافی موجود ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات نے فرمایا کہ تراجم نوویؒ میں شافعیت کی بو ہے،جس سے امام مسلمؒ کے شافعی المسلک ہونے کا شبہ ہوتا ہے؛ جبکہ یہ بات درست نہیں، ملاحظہ ہو:

تراجمه فيها نفس فقيه شافعي، ولعل هذا سبباً في عد الامام مسلم شافعي المذهب، وليس الأمر كذلك(۳۸)

اسی وجہ سے علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا قول بالکل درست ہے کہ "صحیح مسلم کے ابواب کا اب تک حق ادا نہ ہو سکا۔" علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: والانصاف انه لم يترجم الى اليوم بما يليق بشأن هذا المصنف الجليل (۳۹)

اس کے علاوہ امام نوویؒ کے تراجم میں طوالت بھی بہت پائی جاتی ہے، جو بسا اوقات اکتاہٹ کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

تعیین ابواب کے بارے میں علامہ سیوطیؒ کی رائے:

علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ امام مسلمؒ کی کتاب کو بغیر عنوانات کے ویسے ہی چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہے؛ تاکہ مصنف کی غرض برقرار رہے؛ چنانچہ فرماتے ہیں:

وما يوجد فى نسخه من الأبواب مترجمة فليس من صنع المؤلف وانما صنعه جماعة بعده وكان الصواب ترك ذلك(۴۰)

لیکن علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی خواہش تھی کہ صحیح مسلم پر عنوانات قائم ہونے چاہئیں، یہی وجہ ہے کہ فرماتے ہیں:

ولعل الله يوفق عبداً من عباده لما يؤدى حقه وبيده التوفيق(۴۱)

بلکہ انہوں نے خود عنوانات قائم کرنا شروع بھی کیے، لیکن شرح کی تکمیل سے پہلے ان کا انتقال ہوگیا، جس کی وجہ سے مکمل نہ کر سکے:

وقد کانت للدیوبندی جهود مشکورة فی تراجم هذا الصحیح، فقد أجاد فیها، وزاد علی النووی زیادات حسنة وأبقی علی البعض الاّ أن المنیة اخترمته قبل تمام الکتاب ولعله رجا أن یکون ذلک العبد الذی تحدث عنه فی عبارته السابقة (۴۲)

اللہ کرے کہ کوئی دوبارہ مختصر اور عمدہ الفاظ میں خوش اسلوبی کے ساتھ صحیح مسلم کو عنوانات سے مزین کر کے اس کمی کو پورا کر دے۔ آمین!۔

خلاصہ بحث: اس بحث سے یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ صحیح مسلم کے ابواب امام مسلم رحمہ اللہ نے خود قائم نہیں کیے، یہ ممکن ہے کہ کتب کے عنوانات انہوں نے قائم کیے ہوں؛ لیکن ذیلی عنوانات امام مسلم رحمہ اللہ کے بجائے دیگر کئی حضرات نے قائم کیے ہیں، جن میں قاضی عیاض رحمہ اللہ، علامہ ابوالعباس قرطبی رحمہ اللہ، امام نووی رحمہ اللہ وغیرہ شامل ہیں اور ہمارے ہاں متداول نسخوں میں عنوانات امام نووی ⁂ نے قائم کیے ہیں؛ لیکن تمام عنوانات ان کے نہیں ہیں؛ بلکہ سابقہ عنوانات میں تبدیلی کی ہے؛ البتہ اب بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ صحیح مسلم کی احادیث پر مختصر اور عمدہ الفاظ میں عنوانات قائم کیے جائیں۔

حوالہ جات: (۱)- تفسیر البغوی، سورة الاسراء، آیت: ۵۵، ۳/ ۱۲۰، ط: دارالمعرفة بیروت، روح المعانی، سورہ آل عمران: ۳، ۳/ ۷۷، ط: مکتبہ امدادیہ، ملتان۔ (۲) الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی، فصل فی أسماء السور: ۱/ ۵۲، ط: سہیل اکیڈمی۔ (۳) تاریخ القرآن وغرائب رسمہ، الفصل الرابع فی ترتیب آیات القرآن وسورہ: ۷۵، ط: مصطفی البابی مصر۔ (۴) سنن الدارمی، کتاب الدیات، باب الدیة فی قتل العمد: ۲/ ۱۸۸، ط: دار احیاء السنة النبویة۔ (۵) سنن أبی داوٗد، کتاب الزکوٰة، باب فی زکوٰة السائمة: ۲/ ۳۱۹، ط: مؤسسة الریان بیروت۔ (۶) سنن الدارمی، کتاب الدیات، باب لایقتل مسلم بکافر: ۲/ ۱۹۰، ط: دار احیاء السنة النبویة۔ (۷) تبییض الصحیفة، الامام ابوحنیفہ أول من دوّن علم الشریعة: ۱۲۹، ط: ادارة القرآن کراچی۔ (۸) البحر الذی زخر فی شرح الفیة الاثر للسیوطی: ۲/ ۵۵۶، ط: مکتبہ الغرباء الاثریہ۔ (۹) البحر الذی زخر فی شرح ألفیة الأثر للسیوطی: ۲/ ۵۵۶، ط: مکتبة الغرباء الاثریة (۱۰) مقدمة المحقق لاکمال المعلم، کتاب الاکمال وقیمته العلمیة: ۱/ ۲۴، ط: دار الوفاء۔ (۱۱) اکمال المعلم، کتاب الطهارة، باب التطیب بعد الغسل من الجنابة:

۲/۱۶۰، ط: دار الوفاء۔(۱۲) ساحۃ الفکر فی الجہر بالذکر: ص:۱۹، مجموعۃ رسائل اللکنوی: ۳/۵۷۴، ط: ادارۃ القرآن کراچی۔(۱۳) الامام مسلم بن الحجاج ومنہجہ فی الصحیح: ۱/۳۸۸، ط: دار الصمیعی ۔(۱۴)(ایضاً)(۱۵) رجال صحیح مسلم لابن منجویہ: ۱/۳۰، ط: دار المعرفۃ بیروت۔(۱۶) رجال صحیح مسلم لابن منجویہ: ۱/۱۰۹، ط: دار المعرفۃ بیروت۔(۱۷) الامام مسلم بن الحجاج ۱/۳۹۰-۳۹۱، ط: دار الصمیعی ۔(۱۸) مقدمۃ النووی علی شرح صحیح مسلم، فصل فی بیان عدد احادیث البخاری ومسلم دون المکررات: ۱/۱۳۸، ط: دار المعرفۃ ۔(۱۹) مقدمۃ فتح الملہم، تراجم صحیح مسلم، ص:۲۴۷، ط: مکتبۃ الحجاز ناظم آباد، کراچی۔(۲۰) اکمال المعلم: ۲/۱۶۰، ط: دار الوفاء۔(۲۱) مقدمۃ المحقق لاکمال المعلم: ۱/۲۴، ط: دار الوفاء۔(۲۲) ایضاً: ۱/۴۰-۴۱، ط: دار الوفاء۔(۲۳) صیانۃ صحیح مسلم من الاخلال والغلط، لابن الصلاح ۳۲، ط: دار الکتب العلمیۃ۔(۲۴) النکت الوفیۃ للامام البقاعی: ۱/۱۱۹، ط: مکتبۃ الرشد۔(۲۵) البحر الذی زخر فی شرح الفیۃ الاثر: ۲/۵۴۶، ط: مکتبۃ الغرباء الاثریۃ۔(۲۶) توضیح الأفکار: ۱/۴۶، ط: مطبعۃ السعادۃ، مصر ۱۳۶۶ھ۔(۲۷) مقدمہ اکمال المعلم للقاضی عیاض: ۱/۸۰، ط: دار الوفاء۔(۲۸) البحر الذی زخر: ۲/۵۵۳، ط: مکتبۃ الغرباء الأثریہ۔(۲۹) ظفر الأمانی بشرح مختصر السید شریف جرجانی: ۱۲۵، ط: مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب۔(۳۰) الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج: ۱/۴۰، ط: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی۔(۳۱) مقدمۃ المحقق لاکمال المعلم: ۱/ ۲۴، ط: دار الوفاء(۳۲) الامام مسلم ابن الحجاج ۱/۳۸۸، ط: دار الصیمعی ۔(۳۳) البحر الذی زخر: ۲/۵۶۴، ط: مکتبۃ الغرباء الاثریۃ مدینہ منورہ۔(۳۴) کشف الظنون، الجامع الصحیح: ۱/۵۵۷، ط: مکتبۃ المثنی، بغداد۔(۳۵) ایضاً: ۱/۵۵۶، ط: مکتبۃ المثنی، بغداد۔(۳۶) مقدمہ النووی علی شرح مسلم، فصل فی بیان عدد احادیث البخاری ومسلم دون المکررات: ۱/۱۳۸، ط: دار المعرفۃ ۔(۳۷) صحیح مسلم: ۱/۱۷۳، ط: قدیمی کتب خانہ، کراچی ۔(۳۸) الامام مسلم بن الحجاج ومنہجہ فی الصحیح: ۱/۳۸۶، ط: دار الصمیعی ۔(۳۹) مقدمہ فتح الملہم، تراجم صحیح مسلم: ۲۴۷، ط: مکتبۃ الحجاز، کراچی ۔(۴۰) الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج: ۱/۴۰، ط: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ ۔(۴۱) مقدمۃ فتح الملہم، تراجم صحیح مسلم: ۲۴۷، ط: مکتبۃ الحجاز، کراچی ۔(۴۲) الامام مسلم بن الحجاج ۱/۳۸۷، ط: دار الصمیعی ۔

''الاتحاف لمذھب الاحناف'' کی طباعت

مولانا بدرالحسن القاسمی

برسوں سے انتظار تھا کہ امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے وہ افادات یا وہ تعلیقات جو علامہ نے خود اپنے قلم سے اپنے وقت کے نامور محدث بلند پایہ محقق عالم علل حدیث وعلم جرح وتعدیل کے ماہر علامہ ظہیر احسن النیموی البہاری کی بے مثال کتاب'' آثار السنن مع حاشیہ التعلیق الحسن'' پر لکھے ہیں

علامہ نیموی سن رسیدہ اور بزرگ ومعمر عالم تھے جبکہ علامہ کشمیری کے عنفوان شباب کا زمانہ تھا لیکن علم وتحقیق کے میدان میں وہ کسی امام وقت سے کم نہ تھے، چنانچہ بڑے بڑے اساطیر علم ان سے رجوع کرتے تھے۔علامہ کشمیری نے مولانا نیموی کے نہ صرف علم وفضل کا اعتراف کیا ہے اور صناعت حدیث میں انکی مہارت کو تسلیم کیا ہے بلکہ انکی تعریف میں عربی زبان میں دو قصیدے بھی لکھے ہیں جو ان کے کمال انصاف کی دلیل اور معاصرت کی وجہ سے پیدا ہونے والی منافرت سے ان کے دل کے پاک ہونے کی علامت ہے۔علامہ کشمیری'' آثار السنن'' کی تصنیف کے دوران تو علامہ نیموی کے اس لحاظ کے ساتھ تھے ہی کہ جب بھی وہ کتاب کا کچھ حصہ بھیجتے اس کے بارے میں اپنی رائے لکھ کر اور مفید مشورے دیکر اور بعض جگہوں پر کمی یا زیادتی کی تجویز لکھ کر بھیجتے رہے۔علامہ نیموی اپنی کتاب کو خالص محدثانہ انداز کی رکھنا چاہتے تھے، اس لئے انہوں نے علل حدیث اور اسماء الرجال اور نقد حدیث سے متعلق مشورے تو قبول کئے لیکن جو فقہی نکات اور شرح حدیث سے متعلق فوائد تھے ان کو حذف کر دیا اور جب کتاب چھپ کر آ گئی تو اس کا ایک نسخہ شاہ صاحب اپنے ساتھ رکھنے لگے، حاشیہ اور بین السطور میں اس پر اضافہ کرتے رہے اور یہ عمل برسوں جاری رہا۔اس لئے اس میں نہایت قیمتی معلومات جمع ہو گئیں اور حضرت شاہ صاحب کے بے مثال حافظہ اور انتہائی زرخیز دماغ نے مختلف علوم وفنون کے فوائد اس میں جمع کر دئے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کے حوالوں کی تخریج ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے اس لیے گھوم پھر کر نظر ان کے شاگردوں میں بھی خاص طور پر علامہ محمد یوسف بنوری کی طرف اٹھتی تھی کہ وہی اس کام کو اس طرح انجام دے سکتے ہیں جو اس کا حق ہے اور انہوں نے خود شاہ صاحب کے حکم سے اس کے کچھ صفحات کی تخریج بھی کی تھی؛ اور وہ شاہ صاحب کے مزاج آشنا بھی تھے لیکن اس کی تکمیل کا ان کو موقع نہیں مل سکا۔اس بارے میں مشہور محدث اور شام کے محقق عالم اور

محدث شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے بھی بار بار زور دیا اور شاہ صاحب کے زندہ باقی رہ جانے والے شاگردوں سے اپیل کی اور لکھا کہ:

ان تخریج حوالاتھا و تبویبھا. و تنسیقھا دین ثقیل في عنق اصحاب الشیخ و تلامذته الأفاضل لاتبرأ ذمتھم الا بانجازہ

انہوں نے یہ تجویز بھی رکھی کہ اس کام کی انجام دہی کے لیے حضرت شاہ صاحب کے چند شاگردوں پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جائے انہوں نے لکھا:

اقترح تالیف لجنة من أصحاب الشیخ و تلامذته لیقوموا خاصة بتنسیق ھذہ التعلیقات و الحواشي فانه لایستطیع النھوض بھذا الواجب احد غیرھم وھم الذین صاحبوا الشیخ و تلقوا افکارہ و عرفوا مقاصدہ۔

کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے دوبارہ یاد دہانی کرائی اور ان کے شاگردوں سے مطالبہ کیا اور لکھا کہ:

و اخص بالمطالبة علي وجه اخص استاذنا و برکتنا ابا المحاسن العلامة الموھوب الشیخ محمد یوسف البنوري فانه علي کثرة اعماله النافعة و خدماته الاسلامیة و العلمیة اتاہ اللہ من الصبر و الدأب و العون مایمکنه من النھوض بھذہ المأثرة الباقیة

علامہ نیموی کی کتاب ''آثار السنن'' درحقیقت علامہ مقدسی کی کتاب ''عمدۃ الاحکام'' مجد ابن تیمیہ کی کتاب ''المنتقی'' حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب ''بلوغ المرام'' کے انداز کی کتاب ہے جس میں امام ابوحنیفہ کے مذھب کی تائید میں صحیح احادیث جمع کرنے کی کوشش کی ہے اور پھر خود ہی ''التعلیق الحسن'' کے نام سے اس پر حواشی لکھے ہیں جس میں بہت سے قیمتی علمی نکات وابحاث آ گئے ہیں اور کتاب خالص محدثانہ اصول پر لکھی گئی ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب نے ان پر مزید اضافے کیے ہیں اور نئے تائیدی دلائل جمع کئے ہیں جس سے کتاب کی قیمت واہمیت میں اور اضافہ ہوگیا ہے، لیکن حضرت شاہ صاحب کے حوامش سے استفادہ میں دشواری یہ تھی کہ ان حواشی میں کہیں تو صرف اشارے پر اکتفا کیا ہے اور کہیں حوالہ کے ذکر کو کافی سمجھا گیا ہے اور جہاں عبارت بھی نقل کی گئی ہے وہاں پوری عبارت کے بجائے صرف اس کا ایک جزء نقل کیا گیا ہے اس لئے ان حواشی اور تعلیقات سے استفادہ کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں تھی۔ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کی ''مجلس دعوت وتحقیق اسلامی'' کے ذمہ داروں کو اللہ تعالی جزائے خیر دے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہ مشکل آسان کردی ہے اور عرب وعجم کے علماء کرام کی برسوں کی اس تمنا کو نامور محقق ومستند عالم مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم نعمانی چشتی کی نگرانی میں علماء کی ایک ٹیم کی معاونت سے پورا کر دیا ہے اور کتاب ''الاتحاف لمذھب الاحناف'' کے نام سے دوجلدوں میں

معیاری طباعت کے ساتھ منظر عام پر آ گئی ہے۔

پہلی بار مجھے حضرت شاہ صاحب کے ان گراں قدر افادات سے قلب و دماغ کو منور کرنے کا موقع ملا اور برسوں کی یہ آرزو پوری ہوئی۔اس کام میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کے مذکّرات سے بھی مدد لی گئی ہے جس میں انہوں نے کتاب کے کچھ حصہ کی تخریج کی تھی۔

''حرف آغاز'' کے طور پر مولانا سلیمان بنوری کی تحریر اس بات کا ثبوت ہے کہ انہوں نے باپ کی امانت کی حفاظت کی ہے اور ان سے اس کام کی تکمیل میں استفادہ کیا ہے اور یہ بڑی خوش آئند علامت ہے۔ان تعلیقات و حواشی کی اہمیت اس لحاظ سے اور بڑھ جاتی ہے کہ یہ حواشی تقریبا پچیس سال تک علامہ کشمیری کے زیر ملاحظہ رہے ہیں اور ان میں حذف و اضافہ کا عمل جاری رہا ہے یہ خصوصیت آپ کی کسی دوسری تحریر کو حاصل نہیں رہی ہے۔اس لئے یہ حواشی اور بھی قابل قدر ہو گئے ہیں، کیونکہ ان میں علامہ کی تحقیق کے زیادہ نکھر کر سامنے آنے کا امکان ہے''الاتحاف لمذہب الاحناف'' یا علامہ انور شاہ کشمیری کے جو تعلیقات اور حواشی ہیں ان سے درج ذیل امور میں استفادہ کیا جا سکتا ہے:

- علل حدیث کے بارے میں علامہ کی رائے سے۔
- نصوص اور احادیث کی تخریج میں آپ کا طریق کار سے۔
- مبہم اسماء اور کنیتوں کی وضاحت میں آپکی تحقیق سے۔
- انساب کی تعیین میں ہونے والی غلطیوں کی تصحیح میں۔
- اسانید کے بارے میں گفتگو کے آپ کے انداز سے۔
- احادیث کی توجیہ کے طریقہ سے۔
- ایک حدیث س دوسری حدیث کی وضاحت اور تشریح میں۔
- مجمل عبارتوں کی توضیح میں۔باب کی احادیث پر ہونے والے اعتراضات کے جواب سے۔
- فعلی حدیث کی قولی حدیث کے ذریعہ تائید سے۔
- صحابی کے عمل کی انکے فتوی کے ذریعہ تائید سے
- تعامل کے ذریعہ تائید سے۔

اسی طرح مقدمہ نگار نے علامہ کی تعلیقات کی افادیت اور خود علامہ نیموی کے لکھے ہوئے حواشی پر اضافہ کو مثالوں کے ذریعہ بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے جو قابل تحسین عمل ہے۔

مقالات ومضامین

الحاد کا فکری چیلنج اور مدارسِ دینیہ کی عصری ذمہ داری

مولانا محمد ازہر

مدیر ماہنامہ ''الخیر'' ملتان

عصرِ حاضر کا سب سے سنگین اور ہمہ گیر فکری فتنہ الحاد ہے۔ یہ فتنہ محض خدا کے انکار تک محدود نہیں، بلکہ اس کے نتیجے میں کائنات بے معنی، انسان بے مقصد اور زندگی جواب دہی سے محروم ہو جاتی ہے۔ الحاد عقل کو وحی سے آزاد کرنے کا دعویٰ کرتا ہے، مگر تاریخ اور تجربہ دونوں گواہ ہیں کہ وحی کی رہنمائی سے محروم عقل بالآخر یقین کے بجائے شک، سکون کے بجائے اضطراب اور اخلاق کے بجائے مفاد پرستی کی نذر ہو جاتی ہے۔

موجودہ دور کا فتنہ یہ ہے کہ جن شکوک وشبہات کو ماضی میں نجی مجالس میں دبے لفظوں میں بیان کیا جاتا تھا، سوشل میڈیا نے انہیں بے باکی کے ساتھ عام کر دیا ہے۔ وجودِ باری تعالیٰ، مذہب اور سائنس کی کشمکش، ایمان اور عقل کی نسبت جیسے سوالات اب فلسفیانہ حلقوں تک محدود نہیں رہے بلکہ ہر موبائل اسکرین پر گردش کر رہے ہیں۔ اور ضروری دینی تعلیم سے ناواقف نوجوان ان سے متاثر بھی ہو رہے ہیں ایسے ماحول میں محض خاموشی اختیار کرنا یا ان سوالات کو نظر انداز کرنا دعوتِ دین کی ذمہ داری سے چشم پوشی کے مترادف ہے۔

اسی پس منظر میں 20 دسمبر 2026 کو انڈیا کے دارالحکومت دہلی میں محترم مفتی شمائل ندوی صاحب اور معروف ملحد ادیب جاوید اختر کے درمیان ایک اہم مناظرہ ہوا یہ مناظرہ نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ یہ مناظرہ کسی فرد کی جیت یا ہار کا مقابلہ نہیں تھا، بلکہ ایک فکری محاذ پر اتمامِ حجت کی سنجیدہ کوشش تھی۔

اہلِ ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ کا وجود کسی مناظرے کا محتاج نہیں، لیکن چونکہ آج کا انسان سوال کرتا ہے، اس لیے اس سوال کا معقول، منظم اور مدلل جواب دینا دینی ذمہ داری ہے۔

اس مناظرے میں مفتی شمائل ندوی صاحب نے جس وقار، سکون اور علمی توازن کے ساتھ گفتگو کی، وہ قابلِ تحسین ہی نہیں بلکہ قابلِ تقلید بھی ہے۔ انہوں نے جذباتی انداز یا مناظرانہ جارحیت کے بجائے عقلِ سلیم، فطرتِ انسانی اور منطقی استدلال کو بنیاد بنایا۔ الحاد کے بنیادی مقدمات ہی سببیت (Causality)، امکان (Contingency) اور علتِ اولیٰ (First Cause) ہی کو اصل جڑ سے واضح کیا، جس کے نتیجے میں اعتراضات اپنی کمزوری خود ظاہر کرتے چلے گئے۔ یہ انداز اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ اسلام نہ سوال سے گھبراتا ہے اور نہ عقل کو معطل کرتا ہے

جیسا کہ جاوید اختر صاحب مناظرہ میں خلاف واقعہ بار بار یہ کہتے رہے کہ اسلام سوال کی اجازت نہیں دیتا حقیقت یہ ہے کہ اسلام نہ صرف سوال کی اجازت دیتا ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور اسے غور وفکر کا ذریعہ قرار دیتا ہے مدارس کے طلباء میں یہ جملہ زبان زد عام ہے کہ سوال نصف علم ہے۔ یہ حقیقت بھی خاص توجہ کی مستحق ہے کہ خدا کے وجود پر دلائل پیش کرنے اور الحاد کے بیانیے کا سامنا کرنے کا فریضہ کسی مغربی یونیورسٹی کے فلسفے کے پروفیسر یا کسی پی ایچ ڈی اسکالر نے انجام نہیں دیا، بلکہ مدارسِ دینیہ کی انہی چٹائیوں پر بیٹھ کر قرآن وسنت، علمِ کلام اور اسلامی فکر حاصل کرنے والوں نے یہ علمی کارنامہ سرانجام دیا۔ یہ امر ان حلقوں کے لیے ایک واضح پیغام ہے جو مدارس کو محض فروعی مسائل تک محدود سمجھتے اور انہیں عصرِ حاضر کے فکری چیلنجز سے ناواقف قرار دیتے ہیں۔

یہ پہلا موقع نہیں کہ الحاد کو اس طرح علمی سطح پر جواب دیا گیا ہو۔ اس سے قبل مفتی یاسر ندیم الواجدی زید مجدہم اور مشہور ملحد اویس اقبال کے درمیان ہونے والا مناظرہ بھی اہلِ علم کے سامنے ہے، جس میں الحاد کے نمائندہ اعتراضات کو استدلالی سطح پر واضح شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ان مسلسل واقعات نے یہ حقیقت مزید مستحکم کر دی ہے کہ الحاد کا بیانیہ خواہ جدید اصطلاحات اور سائنسی تعبیرات میں پیش کیا جائے، وہ گہرے عقلی تجزیے کے سامنے دیر پا نہیں رہ سکتا۔ حالیہ مناظرے میں بعض منطقی اور فلسفیانہ اصطلاحات بھی استعمال ہوئیں، جن کا عام قارئین سے مختصر تعارف ضروری ہے۔ مثال کے طور پر Contingency Argument (دلیلِ امکان) اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز ممکن الوجود ہے، یعنی خود قائم نہیں بلکہ اپنے وجود کے لیے کسی دوسرے کی محتاج ہے۔ اگر تمام موجودات اسی طرح ایک دوسرے پر منحصر ہوں اور یہ سلسلہ لامتناہی مان لیا جائے تو Infinite Regress (لامتناہی تسلسلِ اسباب) لازم آتا ہے، جو عقلاً محال ہے، کیونکہ موجد کے بغیر کسی چیز کا وجود میں آنا ممکن ہی نہیں رہتا۔ چونکہ ہم اور یہ کائنات موجود ہیں، اس لیے عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ایک ایسا وجود ضرور ہو جو قائم بالذات ہو، کسی کا محتاج نہ ہو اور جس کا وجود لازم ہو۔ فلسفے کی زبان میں یہی Necessary Being یا واجب الوجود ہے، اور اسلام اسی ہستی کو اللہ کے نام سے پہچان کرواتا ہے۔ قرآن مجید نے اسی عقلی حقیقت کو صدیوں پہلے نہایت جامع انداز میں بیان فرما دیا: ﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ﴾ ''کیا وہ بغیر کسی خالق کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں، یا وہ خود ہی اپنے خالق ہیں؟''

اسی حقیقت کو ہمارے ایک جلیل القدر استاد، جامعِ معقول ومنقول حضرت مولانا نیاز محمد ختنی رحمۃ اللہ علیہ نہایت سادہ مگر گہرے انداز میں سمجھایا کرتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ کسی چیز کے بارے میں ''کہاں سے آئی؟'' کا سوال اسی وقت کیا جاتا ہے جب وہ اس کی ذاتی صفت نہ ہو بلکہ باہر سے حاصل ہوئی ہو۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ پانی

گرم ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں گرمی کہاں سے آئی؟ جواب ملتا ہے: دیگچی سے۔ پھر پوچھا جاتا ہے کہ دیگچی میں گرمی کہاں سے آئی؟ جواب ہوگا: آگ سے۔ لیکن یہاں آ کر یہ سوال ختم ہو جاتا ہے کہ آگ میں گرمی کہاں سے آئی؟ کیونکہ گرمی آگ کی ذاتی صفت ہے، جو اس سے جدا نہیں ہو سکتی۔ جو چیز کسی شے کا وصفِ ذاتی ہو، اس کے بارے میں ''کہاں سے آئی؟'' کا سوال ہی بے معنی ہو جاتا ہے۔ اسی اصول کو وجود کے مسئلے پر منطبق کیجیے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ زید کا وجود کہاں سے آیا؟ جواب ہوتا ہے: اس کے والد سے۔ پھر والد کے والد سے، یہاں تک کہ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں سوال کیا جائے تو جواب ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وجود عطا فرمایا۔ لیکن یہاں آ کر یہ سوال نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ کا وجود کہاں سے آیا؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی نے وجود عطا نہیں کیا بلکہ وجود ان کی ذاتی صفت ہے۔ وہ خود قائم ہیں، خود موجود ہیں، اور ہر موجود کو وجود عطا کرنے والے ہیں۔ ان کے وجود کے لیے کسی سبب، کسی علت یا کسی خارجی سہارے کا تصور ہی درست نہیں۔ یوں جس طرح آگ کے لیے گرمی کا سبب تلاش نہیں کیا جاتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے وجود کے لیے ''کہاں سے آیا'' کا سوال عقلاً اور منطقی طور پر بے محل ہو جاتا ہے۔

یہی وہ نکتہ ہے جسے فلسفے کی زبان میں واجب الوجود کہا جاتا ہے، اور جسے قرآن مجید نے نہایت مختصر مگر فیصلہ کن انداز میں واضح فرما دیا ہے: ﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ﴾۔ یہ آیت اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اسلام کا تصورِ خدا محض جذباتی یا تقلیدی نہیں بلکہ گہرے عقلی استدلال پر قائم ہے۔

ان مناظروں سے ایک نہایت اہم حقیقت یہ بھی سامنے آئی ہے کہ آج مدارس کے فضلاء کی ذمہ داری صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تک محدود نہیں رہی۔ سوشل میڈیا کے اس دور میں عقائد پر حملے براہِ راست، علانیہ اور منظم انداز میں ہو رہے ہیں۔ ایسے میں ضروری ہے کہ علماء فروعی اختلافات سے بلند ہو کر اسلامی عقائد اور اصولوں کے تحفظ کو اپنی ترجیح بنائیں، جدید فکری اعتراضات کو سمجھیں، اور تشکیک و الحاد کے شکوک کا مدلل اور باوقار جواب دینے کی صلاحیت پیدا کریں۔ مدارس کے فضلاء کے لیے چند علمی و عملی نکات مدارسِ دینیہ کے طلبہ اور فضلاء کے لیے اب ناگزیر ہے کہ وہ:

اوّل: اسلامی عقائد کے ساتھ ساتھ علمِ کلام اور فلسفے کی بنیادی اصطلاحات سے واقفیت حاصل کریں۔

دوم: الحاد، تشکیک اور سیکولر فکر کے نمایاں اعتراضات کو براہِ راست مصادر سے سمجھیں، محض سنی سنائی باتوں پر اکتفا نہ کریں۔

سوم: دعوت اور مناظرے کے آداب سیکھیں، کیونکہ مقصد مخالف کو نیچا دکھانا نہیں بلکہ حق کو واضح کرنا ہے۔

چہارم: سوشل میڈیا کو محض فتنہ نہ سمجھیں بلکہ حکمت کے ساتھ اسے دعوت اور دفاعِ عقیدہ کا ذریعہ بنائیں۔

پنجم: فروعی مسائل میں الجھ کر اصل بنیاد یعنی عقیدہ کو نظر انداز نہ ہونے دیں، کیونکہ اگر بنیاد محفوظ نہ رہی تو عمارت خود بخود گر جاتی ہے۔

حالیہ مناظرے اور اس سے قبل ہونے والے علمی مکالمے اس حقیقت کا اعلان ہیں کہ اسلام نہ صرف ایمان کا پیغام رکھتا ہے بلکہ عقل کو مطمئن کرنے کی بھرپور صلاحیت بھی رکھتا ہے، اور مدارسِ دینیہ آج بھی اس فکری روایت کے مضبوط ترین امین ہیں۔ یہ مناظرے افراد کی فتح کے واقعات نہیں بلکہ حق کی سربلندی اور فکری بیداری کے مظاہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کوششوں کو قبول فرمائے، انہیں ہدایت کا ذریعہ بنائیں، اور ہمارے علماء وطلبہ کو اس دور کے فکری محاذ پر حکمت، بصیرت اور استقامت کے ساتھ کھڑا رہنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین یارب العالمین!۔

(بقیہ: مولانا محمد حنیف عبد المجید رحمہ اللہ)

حضرت مولانا عمران عیسیٰ صاحب حفظہ اللہ فرمارہے تھے: "مفتی صاحب تو بڑی کامیاب زندگی گزار گئے اور جو ہم نے دیکھا تو اس اعتبار سے اللہ سے امید ہے کہ ان شاءاللہ وہ آنے والے مراحل بھی کامیاب ہوں گے، اب مسئلہ تو میرا اور آپ کا ہے، مفتی صاحب کے ہمراہ جو کچھ اسفار ہوئے اور وقت گزرا اس میں ہم نے دیکھا کہ ان کو اللہ نے قوّتِ دعا سے نوازا تھا، وہ اللہ سے مانگنے والے بہت تھے، تو اب ہمارے لیے سیکھنے کی چیز یہ ہے کہ ان کی اس طرح کی صفات کو اپنائیں۔"

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے حج کے ایک پرانے ساتھی اور ہم سفر بتارہے تھے کہ "مزدلفہ میں ہم سب اپنے لیے، اپنے اہل وعیال کے لیے جب دعائیں کررہے ہوتے تھے تب یہ اپنے اداروں، اداروں کے افراد کے لیے دعائیں مانگ رہے ہوتے تھے، ایسا درد دل، ایسی کڑھن اور ایسی فکر تھی۔"

تصانیف: یہ بات بھی قابل تعجب اور قابلِ اقتدا ہے کہ اپنی کم مدت حیات، انتظامی مصروفیات اور تبلیغی اسفار کے باوجود حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی تصنیفات وتالیفات کی تعداد ۳۰۰ سے متجاوز ہے جن میں "تحفہ دولہا، تحفہ دولہن، مثالی باپ، مثالی ماں، مثالی استاد، شرح اسمائے حسنیٰ، تحفۃ الدعاء سیریز، مجموعہ وظائف، تعلیم الدعاء" وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس میں ہمارے لیے وقت کی اہمیت اور اسے قیمتی بنانے کا بڑا سبق ہے جو ہمارے تمام اکابرین واسلاف حتیٰ کہ دنیا کے ہر کامیاب انسان کا امتیازی اور مشترکہ وصف ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت مفتی صاحب کی خدمات کو قبول فرمائے، خدمات کا سلسلہ جاری وساری رکھے، اُن کی قبر کو نور سے منور فرمائے، اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے، ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

تعلیمی نظام میں معروضی امتحانات کی اہمیت فوائد اور گزارشات

(دوسرا و آخری حصہ)

مولانا محمد آصف ملک

(گزشتہ سے پیوستہ)

دوسری صورت: کثیر الانتخابی سوالات:(Multiple Choice Questions)

کثیر الانتخابی سوالات سے مراد ایسے سوالات ہیں جس میں جواب دینے والے کو تین سے چار ممکنہ جوابات کے اختیارات دیے جاتے ہیں، اور ان تین چار ممکنہ جوابات میں سے ایک جواب صحیح ہوتا ہے، اور طالب علم کو اس صحیح جواب کا انتخاب کرنا ہوتا ہے، اور اس قسم کے سوالات سے مقصود طالبِ علم کی قوتِ تفہیم اور سمجھ بوجھ کا امتحان ہوتا ہے، اگر طالب علم نے سمجھ کر پڑھا ہو گا تو صحیح جواب منتخب کر سکے گا، کیونکہ کثیر الانتخابی سوالات کے جو دوسرے اختیارات ہوتے ہیں، وہ بھی صحیح جواب کے متوازن ہوتے ہیں۔ ذیل میں چند مثالیں ذکر کی جا رہی ہیں:

1-ہدایۃ النحو کے مصنف کا نام کیا ہے؟ (الف) جمال الدین (ب) سراج الدین (☆) (ج) کمال الدین

2-لفظ عبد اللہ غیر منصرف ہے: (الف) علم اور مرکب اضافی کی وجہ سے (ب) علم اور عجمہ کی وجہ سے (ج) منصرف ہے (☆)

3-مسند اور مسند الیہ کا ہونا ضروری ہے؟ (الف) فعل کے لیے (ب) اسم کے لیے (☆) (ج) کلام کے لیے

۴-جاری مجری صحیح وہ کلمہ ہے جس کے آخر میں ہو؟ (الف) یاء ماقبل ساکن (ب) واؤ ماقبل ساکن (ج) واؤ یا یاء ماقبل ساکن (☆)

4-نون تثنیہ ہمیشہ ہوتا ہے؟ (الف) مرفوع (ب) مفتوح (ج) مکسور (☆)

ان سب سوالات میں ہر سوال کے سامنے مختلف اختیارات دیے گئے ہیں، جن میں ایک جواب صحیح، باقی غلط ہے، ان اختیارات میں سے طالب علم کو صحیح جواب کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔

تیسری صورت: خالی جگہیں پر کرنا(Fill in the Blanks)

اس قسم کے سوالات میں ایک عبارت دی جاتی ہے، جس میں کسی جگہ سے لفظ یا الفاظ غائب کر کے خالی جگہ چھوڑی جاتی ہے، اور طلبہ کرام کو اس خالی جگہ کو صحیح لفظ یا فقرے سے پُر کرنا ہوتا ہے، مثال کے طور پر:

1-اسم مقصور اور غیر جمع مذکر سالم مضاف بیاءِ متکلم کا اعراب تینوں حالتوں میں ------ہوتا ہے۔ مندرجہ بالا عبارت میں خالی جگہ کو صحیح جواب سے پر کرنا ہوگا، اور اس کا صحیح جواب ہے: تقدیری، یعنی اسم مقصور اور غیر جمع مذکر سالم مضاف بیاءِ متکلم کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے۔

2-جمع مذکر سالم مضاف بیاءِ متکلم کا اعراب حالت رفعی میں ------کے ساتھ ہوتا ہے۔(واؤ تقدیری)

3-اگر اسم کے معدول عنہ پر غیر منصرف کے علاوہ خارج میں بھی دلیل موجود ہو تو اس کو------کہا جاتا ہے۔ (عدل تحقیقی)

4-وصف کا غیر منصرف بننے کے لیے شرط ہے کہ وہ------میں وصف ہو۔(اصل وضع)

چوتھی صورت: صحیح وغلط سوالات(True/False Questions)

اس قسم کے سوالات سے مراد ایسے سوالات ہیں جن میں ایک عبارت دی جاتی ہے، اور اس کے سامنے دو اختیارات ہوتے ہیں، (صحیح، غلط/ (×) (✓) ان دونوں میں کسی ایک صحیح جواب کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر:

۱-اعرابِ محلی معرب پر داخل ہوتا ہے۔(×) چونکہ اعرابِ محلی معرب پر نہیں آتا، بلکہ مبنی پر آتا ہے، اس لیے اس جواب کے آگے علامتِ غلط (×) لگائی گئی، اسی طرح دیگر مثالوں کو بھی ملاحظہ فرمائیں:

۲-علم اور وصف جمع ہو سکتے ہیں۔(✓)

۳-ذو کے اعراب کے لیے ضروری ہے کہ وہ صاحب کے معنی میں ہو۔(✓)

۴-جمع مؤنث سالم کے اعراب لیے شرط ہے اس کی مفرد کے آخر میں تا ہو، جیسے مؤمنۃ کی جمع مؤمنات۔(×)

۵-جمع مؤنث سالم میں جر کو نصب کے تابع کیا گیا ہے۔(×)

۶-غیر منصرف میں نصب کو جر کے تابع کیا گیا ہے۔(×)

پانچویں صورت: غلط عبارت کی نشاندہی کر کے درست لکھنا:

اس قسم کے سوالات سے مراد ایسے سوالات ہیں، جن میں طلبہ کو ایک غلط جملہ لکھ کر دیا جاتا ہے، اور انہیں اس غلطی کی نشاندہی کر کے تصحیح کرنے کے لیے کہا جاتا ہے، اس قسم کے سوالات سے مقصود طالب علم کا نفسِ کتاب سے تعلق

قائم کرنا، اور قوتِ تفہیم کا جانچنا ہوتا ہے، جیسے کافیہ سے چند سوالات ملاحظہ فرمائیں:

عبارت	غلط عبارت	درست عبارت
1:الإسم: أن تدل على معنى في نفسها مقترن بأحد الأزمنة الثلاثة	مقترن	غير مقترن
2الكلام: ماتضمن كلمتين بالإضافة	بالإضافة	بالإسناد
3حكم المعرب أن يختلف آخره باختلاف العوامل لفظاً فقط	لفظاً فقط	لفظاً أو تقديرًا
4جمع المؤنث السالم بالضمة والفتحة	والفتحة	والكسرةِ
5غير المنصرف بالضمة والكسرة	والكسرة	والفتحة

چھٹی صورت: ملاپ سوالات (Matching Questions)

ایسے سوالات میں دو کالم دیے جاتے ہیں، ایک کالم میں سوالات اور دوسرے کالم میں جوابات ہوتے ہیں، جنہیں آپس میں درست طریقے سے ملانا ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

۱-الف مقصورہ	وہ مؤنث جس میں علامتِ تانیث ظاہر ہو۔
۲-الف ممدودہ	وہ زائد الف جو اسم کے آخر میں ہو، جس کے بعد ہمزہ نہ ہو۔
۳-مؤنثِ حقیقی	وہ زائد ہمزہ جو اسم کے آخر میں ہو، جس سے پہلے الف ہو۔
۴-مؤنثِ لفظی	وہ مؤنث جس کے مقابلے میں جاندار مذکر ہو۔
۵-مؤنثِ قیاسی	وہ مؤنث جس کے مقابلے میں جاندار مذکر نہ ہو۔

ساتویں صورت: ترتیب والے سوالات (Ordering or Sequencing Questions)

ترتیب والے سوالات میں طلبہ کو تاریخی واقعات کو ترتیب دینے، یا کسی چیز کی اقسام کو صحیح ترتیب میں ترتیب دینے کے لیے کہا جاتا ہے، مثلاً:

سوال: درج ذیل غزوات کو صحیح ترتیب سے لکھیں:

(الف) غزوۂ خندق (ب) غزوۂ بدر (ج) غزوۂ حنین (د) غزوۂ احد

جواب: صحیح ترتیب یہ ہے: غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، غزوۂ خندق، غزوۂ حنین۔

سوال: نمازِ جنازہ کے طریقے کو ترتیب سے لکھیں:

(الف) پہلی تکبیر کے بعد درود پڑھنا(ب) دوسری تکبیر کے بعد دعا پڑھنا(ج) تیسری تکبیر کے بعد ثنا(د) چوتھی تکبیر کے بعد سلام

جواب: صحیح ترتیب درج ذیل ہے:(الف) پہلی تکبیر کے بعد ثنا پڑھنا(ب)دوسری تکبیر کے بعد درود پڑھنا(ج) تیسری تکبیر کے بعد میت کے لیے دعا(د) چوتھی تکبیر کے بعد سلام۔

گزارشات: تعلیمی نظام میں معروضی امتحان کو شامل کرنے کے حوالے سے بحیثیت ایک طالب علم چند گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں:

(الف) مدارس کے موجودہ نصاب کو مرحلہ وار معروضی سوالات کے قالب میں ڈھالنے کی طرف پیش قدمی کرنی چاہیے، اس کے لیے پہلے نصاب کا جائزہ لیں کہ کون سے مضامین میں معروضی سوالات بنائے جا سکتے ہیں۔ ابتدائی مرحلہ میں تفصیلی امتحانات کے ساتھ ساتھ کچھ درجات میں مخصوص مضامین کے لیے معروضی سوالات شامل کریں، اور سوالات میں مختلف انداز اپنانے کا خیال رکھیں، جیسے صحیح یا غلط، خالی جگہ پُر کرنا، یا درست جواب چننا، وغیرہ۔

(ب) معروضی سوالات بنانے اور جانچنے کا طریقہ سکھانے کے لیے اساتذہ کرام سے مذاکرہ کیا جائے، اساتذہ کرام سے معروضی سوالات کی مؤثریت پر آراء جمع کی جائیں، اوران کی آراء کی روشنی میں کوئی لائحہ عمل طے کیا جائے۔ اسی طرح ہر فن (مثلاً نحو، صرف، فقہ، بلاغت ومنطق وغیرہ) کے ماہر اور تجربہ کار اساتذہ کی الگ الگ جماعتیں بنائی جائیں جو متعلقہ کتابوں سے معروضی سوالات تیار کریں۔ ہر جماعت کا ایک مسئول ہو، تاکہ سارے سوالات ایک ترتیب سے بنیں۔ یا ہر ایک استاذ اپنی مفوضہ کتاب کے تمام ممکنہ معروضی سوالات خود ہی بنالیں، اُمید ہے کہ کچھ ہی عرصے میں کسی بھی فن کے تمام ممکنہ معروضی سوالات تیار ہو جائیں گے۔

(ج) طلبہ کرام سے ماہانہ تعلیمی جائزوں کے ذریعے معروضی سوالات حل کرائے جائیں، تاکہ وہ اس طرزِ امتحان کے عادی ہو جائیں۔

وہ لوگ بھی بچھڑے جو بچھڑنے کے نہیں تھے!

مولانا مفتی محمد حنیف عبدالمجیدؒ کی رحلت

جناب محمد ہانی رفیق

ہر گلستان کا ایک گل ہوتا ہے، ہر باغ کا ایک گلاب ہوتا ہے، سیاہ بادلوں کے ہر جھرمٹ میں ایک چاند ہوتا ہے جو تاریکی میں روشنی کی علامت ہوتا ہے اور گلاب اس باغ کی پہچان ہوتا ہے، اس کی مہک ہوتا ہے، الغرض اس باغ کو اور اس کے باغبان کو اس پر بڑا فخر ہوتا ہے، اگر میں یہ کہوں کہ یہ تمام تشبیہات واستعارات ہمارے خاندان کی نسبت سے ہمارے تایا مرحوم حضرت مولانا مفتی محمد حنیف عبدالمجید صاحبؒ پر صادق آتی ہیں تو شاید بے جا نہ ہوگا۔

۱۲ نومبر ۲۰۲۵ء بروز بدھ کو رات تقریباً تین بجے حضرت مفتی صاحب داعی اجل کو لبیک کہہ کر ہم سب کو داغِ مفارقت دے گئے۔

انتقال سے تقریباً سات (۷) گھنٹے قبل یعنی بروز منگل کی شب تقریباً ۸ بجے بندہ نے آخری بار مفتی صاحب کی زیارت کی جب ہسپتال میں ان کی عیادت کے لیے جانا ہوا اور صبح اسی جانکاہ خبر کے ساتھ بیدار ہوئے۔

پھر صبح تعزیت کے وقت حضرت مفتی صاحب کے شاگردوں اور متعلقین کو ایسے اشکبار اور غم ناک دیکھا جیسے کوئی خونی رشتہ یا سگی اولاد ہو، اس سے مفتی صاحب کے لیے لوگوں کی محبت وعقیدت کا بخوبی اندازہ ہو گیا اور اس طویل حدیث کا بھی جس کا مفہوم ہے کہ جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو مخلوق کے دل میں بھی اس کی محبت ڈال دیتا ہے۔ (صحیح بخاری)

بروز بدھ بعد نمازِ ظہر جامع مسجد بنوری ٹاؤن میں مفتی صاحب کی نمازِ جنازہ، حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی اقتدا میں ادا کی گئی جس میں عوام وخواص کے ایک جم غفیر نے شرکت کی، خصوصاً حضرت مولانا امداد اللہ یوسف زئی صاحب، مولانا فہیم اشرف صاحب، مولانا نعمان نعیم صاحب، مفتی سعید سکندر صاحب، مولانا عمران عیسی صاحب، مولانا احمد بنوری صاحب، مولانا عمر بدخشانی صاحب مدظلہم قابلِ ذکر ہیں۔

ہم پر یہ اللہ تعالیٰ کا بے حد فضل وکرم رہا کہ ہمیں خاندان میں ہی اللہ نے ایک فنا فی اللہ، مخلص، للّٰہیت سے بھرپور، گمنام، سادگی پسند اور انتہائی شفیق شخصیت کی صحبت نصیب فرمائی۔

عام طور سے یہ انسانی فطرت ہے کہ کسی نعمت کی موجودگی میں اس کی کماحقہٗ قدر نہیں ہوتی مگر جب وہ نعمت چھن جاتی ہے تو احساس ہوتا ہے، حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کا معاملہ بھی اسی طرح تھا کہ ان کی گمنامی و گوشہ نشینی کے باعث اندازہ نہ ہوا کہ اس مردِ جلیل نے قرآنی تعلیمات کی ترویج واشاعت کے میدان میں کیسے کیسے سنگ میل عبور کیے ہیں لیکن اب جب وہ ہم میں موجود نہیں ہیں تو ان کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات رہ رہ کر یاد آتے ہیں۔

کر رہا تھا غمِ جہاں کا حساب
آج تم یاد بے حساب آئے

مختصر حالات:

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی ولادت سن ۱۹۶۵ء کی تھی۔ سن ۱۹۷۷ء میں ابتدائی پانچ جماعتیں اسکول میں پڑھنے کے بعد جامعہ بنوری ٹاؤن میں داخلہ ہوا، پھر اولی سے لے کر تخصص تک وہیں زیرِ تعلیم رہے۔ سن ۱۹۸۳ء کی فراغت تھی، اللہ تعالیٰ نے مفتی صاحب قُدس سرہ کو دورۂ حدیث میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی صاحب (بخاری وترمذی مکمل)، مولانا مصباح اللہ شاہ صاحب، حضرت مولانا بدیع الزمان صاحب (سنن ابی داؤد) اور حضرت مولانا ادریس میرٹھی صاحب (صحیح مسلم مکمل) رحمہم اللہ جیسے جیّد علماء کرام کی سرپرستی اور شرفِ تلمذ نصیب فرمایا۔ بعد ازاں حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم سے تکمیل بھی کی۔ ایک سال (غالباً سن ۱۹۹۱ء میں) جامعہ بنوری ٹاؤن میں مدرّس رہے اور پھر دو سے تین سال (غالباً ۱۹۹۲-۹۴ء میں) جامعہ دارالعلوم نیوکاسل، جنوبی افریقہ میں حدیث کی معروف کتاب مشکوٰۃ المصابیح کی تدریس کی۔

غالباً سن ۱۹۸۶ء کے سال حج کے سفر میں حضرت حاجی عبدالوہاب صاحب نور اللہ مرقدہ نے حضرت مفتی صاحب کو اپنے ہمراہ کچھ گشت کروائے، اسی کی برکت سے اللہ تعالی نے مفتی صاحب کو تبلیغ سے بھی وابستہ کر دیا، پھر اس کے بعد مفتی صاحب نے ۱۹۸۷ء میں سال کی جماعت میں وقت لگایا۔

مارچ ۱۹۸۹ء میں حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں سات سے آٹھ ممالک کے اسفار ہوئے؛ جنوبی افریقہ، تنزانیہ، کینیا، ملاوی، موزمبیق، برطانیہ، فرانس، امریکہ۔ رمضان المبارک میں شروع ہونے والے یہ اسفار حج کے بعد اپنے اختتام کو پہنچے۔

اس کے ایک برس بعد حضرت مفتی سعید احمد خان صاحب قدس سرہ نے نظام الدین سے رائیونڈ حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ کو خط لکھا کہ میں اپنے سفر میں (مفتی) حنیف (صاحب رحمہ اللہ) کو ساتھ چاہتا ہوں تو مفتی صاحب نے ایک اور سفر بھی حضرت کے ہمراہ کیا۔

اس کے اگلے سال یعنی سن ۹۰ء میں مفتی صاحب قدس سرہ نے چند ساتھیوں کے ہمراہ نیوزی لینڈ، ملائیشیا، آسٹریلیا اور فجی (Fiji) کا بھی سفر کیا تھا۔

دینی خدمات:

سن ۱۹۹۳ء میں مدرسہ بیت العلم (شعبہ کتب) کا قیام عمل میں آیا جب پانچ سے چھ طلبہ تھے، اس کے بعد حفظ و ناظرہ کی درس گاہوں کا آغاز ہوا اور اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مرکز "بیت العلم" کے تحت ایک درجن سے زائد حفظ و ناظرہ کے مدارس اور مساجد مصروفِ عمل ہیں۔

بعد ازاں، سن ۱۹۹۷ء میں البدر اسلامک اسکولنگ سسٹم کی تاسیس ہوئی، جب اسلامی اسکولوں کا رواج کم تھا اور بہت سے دین دار گھرانے کے بچے بھی غیر اسلامی اسکول میں جاتے تھے جہاں کا لباس اور ماحول وغیرہ دیکھ کر حضرت مفتی صاحب کو فکر ہوئی اور دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ ایسے اسکول بھی ہونے چاہئیں جہاں اسلامی ماحول ہو اور وہاں کی نصابی کتابوں میں غیر شرعی عناصر نہ ہوں مثلاً تصاویر، مغربی تہذیب سے متعلق واقعات وغیرہ تو اس فکر کا ثمرہ اللہ تعالیٰ نے البدر کی صورت میں عنایت فرمایا، جس کے زیر نگرانی ایسی نصابی کتب بھی تیار ہوئیں جو مذکورہ چیزوں سے پاک تھیں اور دوسرے کافی اداروں نے اسے پسند کر کے اپنے نصاب میں داخل بھی کیا۔ ابتدا میں "آئی ایس" نامی ایک اسکول میں سمر کورس کا آغاز ہوا تھا جو ۲۰۰۰ء تک مستقل اور سن ۲۰۱۰ء تک وقفے کے ساتھ جاری رہا بعد میں باقاعدہ اسکول کا آغاز البدر کے نام سے ہوا۔

مکتب تعلیم القرآن کو اور اس کے نظم و نسق کو اللہ رب العزت نے جس کامیابی و کامرانی، قبولیت اور اکابرین کے اعتماد سے نوازا وہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے اخلاص کا منہ بولتا ثبوت ہے اور تا قیامت رہے گا ان شاء اللہ العزیز۔

سن ۲۰۰۶ء میں اس کی بنیاد رکھی گئی جس کے پیچھے بنیادی طور پر دو منفرد اور بنیادی مقاصد کارفرما تھے، ایک تو یہ کہ جو بچے اسکول میں زیرِ تعلیم ہیں ان کو بچپن میں ہی دوپہر کے وقت بنیادی اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے تاکہ جب عصری تعلیم سے وہ فارغ ہو کر عملی زندگی میں قدم رکھیں تو ایک صحیح مسلمان کی زندگی گزار سکیں

جس کے لیے ”تربیتی نصاب“ کے نام سے نصاب تیار کیے گئے جو اہلِ علم کے ہاں بے انتہا مقبول ہوئے، دوسرا مقصد قرآن کریم کے اساتذہ یعنی قاری صاحبان کی تجوید و تربیت پر توجہ تھا جس کے لیے مختلف نشستوں کا انعقاد ہوتا ہے۔اس کے لیے ملک بھر میں اور بیرونِ ملک بے شمار مکاتب قائم ہیں۔

اکابر کی جھلک:

ہم نے جو کتابوں میں اکابرین کی صفات پڑھیں اور بڑوں سے سنیں ان میں سے اکثر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے اندر موجود پائیں، ایک زمانہ تھا جب مفتی صاحب اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود ہمیں ہفتہ واری چھٹی والے دن صبح صبح اپنے ہمراہ چہل قدمی اور ورزش کے لیے باغیچہ میں لے کر جایا کرتے تھے، چند چچا زاد ہوتے، راقم بھی ساتھ ہوتا، جب ہم چھوٹے چھوٹے ہوا کرتے تھے۔مفتی صاحب قدس سرہ چہل قدمی فرماتے اور ہم آپس میں کھیل لیا کرتے تھے۔جب بھی ملاقات ہوتی، تعلیمی اعتبار سے ضرور استفسار فرماتے ،فکر فرماتے ، الغرض انتہائی شفقت کا مظاہرہ فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے مفتی صاحب کو غایت سادگی سے متصف فرمایا تھا، جب سے آنکھ کھولی ہمیشہ مفتی صاحب کو پہننے اوڑھنے کے ایک ہی بے لوث، سادہ، سنت کے عین موافق انداز میں پایا اور راقم نے مفتی صاحب کے زیر استعمال تا دمِ آخر ایک ہی چھوٹی سی قدیم گاڑی دیکھی۔ بہر حال، جو بھی مفتی صاحب کو جانتے تھے وہ اس بات سے متفق ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے مفتی صاحب قدس سرہ کو کس درجہ سادگی کی صفت سے نوازا تھا۔

اکابرین ومعاصرین کے تاثرات:

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب غزنوی مدظلہ العالی جنازے سے قبل تعزیت کے لیے تشریف لائے تو فرمانے لگے، ”بعض زندگیاں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کی بدولت انہیں آخرت میں ایسے انعامات سے نوازا جاتا ہے کہ اگر انہیں دنیا میں واپس جانے کا موقع ملے تو وہ انکار کر دیں، حضرت مولانا حنیف صاحب قدس سرہ کی زندگی بھی ایسی ہی تھی۔“ پھر مفتی صاحب کی زیارت کر کے فرمانے لگے: ”ہمیشہ کے لیے سکون پا گئے!“ اللہ اکبر..... اللہ تعالیٰ اپنے صاحبِ نظر بندوں پر کیسی کیسی حقیقتیں کھول دیتا ہے۔

حضرت مولانا امداد اللہ یوسف زئی صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا: ”میں نے میمن برادری میں یہ واحد شخص دیکھا تھا جو اتنی وسیع سوچ رکھتا تھا، پھر اللہ نے اس اعتبار سے ان سے کام بھی لیے کہ دِیر میں بھی مفتی صاحب کا مکتب قائم ہے۔“ (بقیہ صفحہ نمبر ۷۴)

اجلاس مسؤلینِ بلوچستان

مولانا سید عبدالرحیم الحسینی

وفاق المدارس صوبہ بلوچستان کے تمام مسؤولین (کتب وحفظ) کا ایک اہم اجلاس بموٴرخہ 27 جمادی الثانیہ 1447 (19 دسمبر 2025) بروز جمعہ بمقام شہرِ کوئٹہ، زیرِ صدارت حضرت ناظمِ بلوچستان دامت برکاتہم منعقد ہوا۔ بلوچستان میں شدید سردی اور سالانہ جلسوں کی وجہ سے تین چار اراکین تشریف نہ لا سکے؛ باقی تمام مسؤولین حضرات نے شرکت کی۔ اللہ تعالی ان کو اجرِ جزیل عطاء فرمائے۔ آمین یاربّ العالمین!۔

اجلاس کا آغاز:

قرآنِ کریم کی تلاوت سے اس مبارک مجلس کا افتتاح ہوا، تلاوت کے بعد حضرت صدرِ مجلس مولانا صلاح الدین ایوبی صاحب دامت برکاتہم نے تمام شرکاء کا تہہِ دل سے شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ: میری دعوت پر آپ حضرات کی شرکت کا شکرگزار ہوں، کہ آپ حضرات نے وفاق کی خدمت کو اوّلیت دے کر اکابر کے ورثہ وفاق کے ساتھ اپنا تعاون اور قربانی کا اظہار کیا، واٴجرکم علی اللہ سبحانہ وتعالی۔

انعقادِ مجالس التدریب کے حوالے سے:

حضرت ناظم صاحب حفظہ اللہ تعالی (وفاق المدارس) نے تمام مسؤولین (کتب وحفظ) کے سامنے اس حقیقت کا اظہار فرمایا کہ: تدریبِ عملہ وفاق (نگران حضرات) اور ساتھ ہی تدریبِ ممتحنینِ حفظ نہایت اہم اور ضروری ہے، جب تک ہمارا عملہ مدرَّب نہ ہو تو وفاق کی طرف سے قواعد اور ضوابط کو عملی جامہ پہنانا مشکل ہے، لہذا: ہر مسؤول اس بات کا مکلف ہے کہ ان ایام میں اپنے اپنے علاقے میں ان تدریبات کا انعقاد یقینی بنا کر ہر ایک اپنی اپنی رپورٹ ہمیں بھیجے، چنانچہ تمام مسؤولین نے ان کے ساتھ وعدہ کیا کہ ہم کریں گے اور رپورٹ بھی آپ کے خدمت میں ارسال کریں گے۔ اور ساتھ ہی حضرت ناظم صاحب حفظہ اللہ تعالی نے یہ بھی کہا کہ ہر تدریب جہاں تک ہو سکے اس میں ناظمِ بلوچستان، معاون ناظم، رکنِ عاملہ، رکن امتحانی کمیٹی میں سے کوئی نہ کوئی ضرور شریک ہو۔ اور بنات کی تدریب کا نظم مسؤولین حضرات کو مفوّض ہے کہ وہ اپنے اپنے طرز اور امکانات کے تحت عمل میں لائے۔

مراکز کا معاینہ:

ساتھ ہی حضرت ناظم صاحب نے مراکزِ امتحان کے معاینے پر زور دیا، اور فرمایا کہ: تمام مسؤولین اس بات کا مکلف ہیں کہ اپنے اپنے علاقوں میں مراکز کا معاینہ دانشمندی کے ساتھ انجام دیں، اور کوئی اور شخص معاینہ اس وقت تک نہیں کرسکتا جب تک ناظم صاحب حفظہ اللہ کا اجازت نہ ہو۔

پرچوں کی وصولی اوران کی حفاظت:

حضرت ناظم صاحب دامت برکاتہم نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: سب سے اہم اور لائقِ حفاظت یہ سوالیہ پرچے ہیں جو کہ ہمارے اکابر کے نگرانی میں شب وروز کی محنت سے تیار ہوکر آپ کے ہاتھوں میں پہنچتے ہیں، خدانخواستہ اگر اس میں ادنیٰ کوتاہی ہم سے سرزد ہوئی تو اس ساری محنت پر پانی پھیرنے کے مترادف ہے، یہ امانت اپنے پاس محفوظ رکھیں، جو طریقہ کار پہلے سے طے ہے اس پر نہایت متانت کے ساتھ عمل پیرا ہوں۔

لائق اور ذی استعداد عملہ کا انتخاب:

حضرت ناظم صاحب دامت برکاتہم نے تمام مسؤولین سے ایک گذارش یہ بھی کی کہ ہر ایک اپنے اپنے علاقے میں مدارس کے مہتممین کو اس بات کا پابند بنائے کہ دفترِ وفاق کو نگران عملہ کے نام ارسال کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھے ایسے عملے کا نام بھیجا کریں کہ صاحبِ استعداد اور لائق ہوں، بسا اوقات یہ شکایت سامنے آتی ہے کہ نگران عملہ میں کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ پرچہ سمجھانے سے بھی قاصر۔ اس کی سدِّ باب کا واحد راستہ ہے کہ: ذی استعداد اور منتظم عملہ ہوں۔

پرائیویٹ طلبہ کے داخلے کا سدِّ باب:

الحمدللہ! اب سارے صوبے میں یہ ماحول بن چکا ہے کہ پرائیویٹ طلبہ کا داخلہ نہ ہونے کے برابر ہے، مزید کوشش بھی ہونی چاہئے، کہ اس رابطے سے وفاق کا ضابطہ نہ ٹوٹے، اور مہتممین مزید اس کا خیال رکھے کہ یہ کام آئندہ نہ ہو۔

شرکاء کی آراء:

حضرت ناظم دامت برکاتہم کے ان ارشادات کے بعد ان کے حکم پر تمام شرکاء سے اپنی اپنی آراء کا مطالبہ اور ساتھ ہی نئی تجاویز پیش کرنے کا کہا۔ تمام شرکاء نے مذکورہ ہدایات اور ضوابط پر عمل پیرا ہونے کا عہد کیا، اور ساتھ ہی کچھ تجاویز بھی جو کہ بندہ راقم الحروف (سیّد عبدالرحیم حسینی، رکنِ امتحانی کمیٹی) کے حوالہ کردی گئیں۔ اور بندہ ان کو آئندہ امتحانی کمیٹی کے اجلاس میں ہمارے بڑوں کے سامنے پیش کرے گا۔ یہ مجلس دعاء پر ختم ہوئی، فللّٰہ الحمد۔

مطالعے کی میز سے

مدینہ منورہ میں دفن ہونے کی تمنائے بے تاب:

حضرت مولانا خیر محمد رحمہ اللہ (مدرس حرم) محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نوراللہ مرقدہ کے شاگرد تھے۔ حرم شریف میں درس دیا کرتے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے کئی حج کیے تھے۔ ایک حج کے موقع پر انہوں نے چند دعائیں کیں، جن میں سے ایک یہ تھی کہ زندگی کے آخری ایام مدینہ منورہ میں گزریں۔ حضرت کی یہ دعا قبول ہوئی۔ مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت زندگی کے آخری سالوں میں مدینہ منورہ میں مقیم تھے تو میں نے ایک مرتبہ باادب پوچھا کہ حضرت! یا تو شوق کا یہ عالم تھا کہ آپ ہندوستان سے سفر کی تکلیفیں برداشت کر کے حج کے لیے آئے تھے اور یا اب یہ حال ہے کہ یہاں بیٹھے ہیں لیکن حج کے ایام میں مکہ مکرمہ تشریف نہیں لے گئے؟۔

فرمایا خیر محمد! کوئی علمی مسئلہ نہیں ہے۔ اپنے دل کی بات کہتا ہوں کہ اب زندگی کی ایک ہی تمنا باقی ہے کہ خلیل احمد کی کمزور ہڈیوں کو دفن ہونے کے لیے مدینہ کی سرزمین نصیب ہو، اسی لیے حج کو نہیں جاتا کہ کہیں اس سعادت سے محروم نہ ہوجاؤں:

نکل جائے دم تیرے قدموں میں   یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

حضرت کی تمنا پوری ہوئی، مدینہ منورہ میں وفات ہوئی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

علم اور خشیت لازم وملزوم ہیں:

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں: کوئی لازم اپنے ملزوم سے منفک نہیں ہوسکتا۔ برف کے لیے برودت لازم ہے اور نار کے لیے حرارت لازم ہے۔ اگر کہیں آگ جل رہی ہو لیکن اس میں گرمی نہ ہو تو کہیں گے کہ یہ آگ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کہیں برف رکھی ہو اور اس میں ٹھنڈک نہ ہو تو کہیں گے کہ یہ برف نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ لازم وملزوم کا انفکاک و انفصال محال ہے۔ پس جس طرح آگ کے لیے حرارت لازم ہے اور برف کے لیے برودت لازم ہے۔ اسی طرح علم کے لیے خشیت لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (الفاطر: ۲۸)

''انما'' کے ساتھ حصر فرما دیا، خشیت محصور ہے علم کے ساتھ۔ خشیت علم کی صفتِ لازمہ ہے۔ پس جس عالم میں خشیت نہ ہو وہ عالم کہلانے کا مستحق نہیں ہے، اس کے اندر علم نہیں ہے۔ (خزائن معرفت ومحبت)

موبائل کی لت: خوشی کا فریب یا ذہنی غلامی؟

کبھی سوچا ہے کہ ہم ایک لمحے کے لیے بھی موبائل فون سے دور کیوں نہیں رہ پاتے؟ جیسے ہی نوٹیفکیشن کی آواز آتی ہے، دل میں ایک چنگاری سی اٹھتی ہے۔ یہی وہ لمحہ ہے جب ہمارا دماغ ہمیں دھوکہ دے رہا ہوتا ہے، ایک وقتی خوشی کے بدلے ہمیں آہستہ آہستہ غلام بنا رہا ہوتا ہے۔ جب ہم موبائل استعمال کرتے ہیں، تو ہمارے دماغ میں ایک کیمیکل خارج ہوتا ہے جسے ڈوپامین کہا جاتا ہے۔ یہ وہی کیمیکل ہے جو کسی کھلاڑی کے اندر اس وقت نکلتا ہے جب وہ جیت کے آخری لمحے چھکا مارتا ہے، یا جب کوئی طالبعلم محنت کے بعد امتحان میں کامیابی حاصل کرتا ہے۔ یہ وہی احساس ہے جو ایک محنتی ایتھلیٹ کو کامیابی کے انعام کے وقت ملتا ہے؛ سکون، فخر، اور خوشی کا ملاپ۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ موبائل ہمیں یہ ڈوپامین بغیر محنت کے دے دیتا ہے۔ ہم صرف ایک ریل دیکھتے ہیں، ایک لائک ملتا ہے، اور دماغ سمجھتا ہے کہ ہم نے کوئی بڑا کارنامہ انجام دیا۔ یہی بار بار کا ڈوپامین اسپائک ہمیں سستی، بےچینی، اور ذہنی تھکن کی طرف لے جاتا ہے۔ وقت کے ساتھ ہمارا دماغ محنت کے بغیر خوشی کا عادی ہو جاتا ہے، اور یہی لمحہ ہوتا ہے جب ''موبائل کی لت'' ہمارے اوپر قابض ہو جاتی ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ اس لت سے آزاد ہوں تو چند سادہ مگر طاقتور عادتیں اپنائیں:

اٹھتے ہی موبائل نہ دیکھیں۔ اپنے دماغ کو کم از کم ایک گھنٹے کی آزادی دیں۔ روزانہ اپنا اسکرین ٹائم آڈٹ کریں۔ دیکھیں کہ آپ نے وقت پروڈکٹیویٹی میں گزارا یا محض ویڈیوز اور ریلز میں ضائع کیا۔ سونے سے دو گھنٹے پہلے موبائل بند کریں۔ کیونکہ موبائل کی نیلی روشنی (Blue Light) آپ کے دماغ میں جا کر ہارمونز کے توازن کو بگاڑ دیتی ہے اور نیند کو برباد کرتی ہے۔ یاد رکھیں، موبائل ایک اوزار ہے، آقا نہیں۔ یہ آپ کو معلومات دے سکتا ہے، کامیابی کے راستے کھول سکتا ہے، مگر اگر آپ نے اسے اپنے اوپر حاوی ہونے دیا، تو یہ آپ کی ذہنی، جسمانی اور جذباتی صحت سب کچھ چھین سکتا ہے۔ آج ہی فیصلہ کریں! موبائل کے غلام نہیں، اس کے مالک؟!۔ (ڈاکٹر سلمان فیروز)

اختلاف اور گستاخی کا رویہ:

مجھے حیرت ہے کہ ہم لوگ ذرا سے اختلاف سے کتنا مشتعل ہو جاتے ہیں اور پھر ایسے لوگوں کی شان میں

گستاخیاں اور بے ادبیاں شروع کر دیتے ہیں جن کو ہم اپنا مقتدیٰ، اپنا رہبر بھی مانتے ہیں۔ اور جس قوم کے مقتداؤں کا یہ حال ہو، جو ہم لوگ اپنے تحریروں اور تقریروں میں لکھتے اور کہتے ہیں، تو مقتدیوں کا حال خود ظاہر ہے۔ ایسی صورت میں ہم صرف ان اکابر ہی کی شان میں گستاخی نہیں کرتے بلکہ اپنی نااہلیت اور نالائقی کا بھی ڈنکا بجاتے ہیں۔ (شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ، بحوالہ اسلامی سیاست/ص28,29

علامہ کشمیریؒ کی ظرافت میں حکمت:

مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مزاحیہ بات نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ایک بار پچھلی صف میں سے کسی طالب علم نے سوال کیا مگر مہمل انداز سے۔

فرمایا کہ جاہل! تجھے معلوم نہیں کہ میں اسناد متصل کرنا بھی جانتا ہوں۔ جانتا ہے کس طرح اسناد متصل ہوگی؟ میں اس اپنے پاس والے کو تھپڑ ماروں گا، وہ اپنے پاس والے کو مارے گا، وہ اپنے پاس والے کو رسید کرے گا۔ یہاں تک کہ تھپڑ کا یہ فعلی سلسلہ سند، تجھ تک پہونچ جائے گا۔ (حیاتِ انور، ۲۲۱)

تحقیق کا انوکھا معیار:

جب ہم شیخ الحدیث مولانا خلیل الرحمن نعمانی دامت برکاتہم العالیہ سے پڑھتے تھے تو انہوں نے ہماری طالبِ علمی کے زمانے میں یہ ایک لطیفہ سنایا تھا: ایک روز استاد صاحب نے طالب علموں سے کہا کہ مطالعہ کر کے آیا کرو۔ یہ سن کر کچھ طالب علم سنجیدہ ہو گئے اور کچھ بدستور معمول کے مطابق رہے۔ اگلے دن استاد صاحب نے ایک طالب علم سے پوچھا: ''میں نے رات کو دیکھا کہ تم پوری رات کتاب کے سامنے بیٹھے رہے، سوئے بھی نہیں، مسلسل مطالعہ کرتے رہے۔ بتاؤ، تم نے کیا دیکھا؟''

طالب علم نے عرض کیا: ''حضرت! میں نے آپ کی نصیحت سنی اور تحقیق کے ساتھ مطالعہ شروع کیا۔ میں نے ارادہ کیا کہ ہر چیز کو پوری تحقیق سے سمجھوں گا۔ جب میں نے کتاب کھولی تو سب سے پہلے 'واؤ' پر نظر پڑی۔ میں نے سوچا کہ یہ 'واؤ' ٹیڑھا کیوں ہے؟ اس کے ٹیڑھے ہونے کی وجہ جاننے کے لیے میں نے پوری رات تحقیق کی۔''

استاد صاحب نے مسکرا کر پوچھا: ''تو پھر کیا نتیجہ نکالا؟''

طالب علم نے جواب دیا: ''حضرت! ابھی تک کوئی نتیجہ نہیں نکل سکا، تحقیق جاری ہے۔''

دوسری طرف استاد صاحب نے ایک اور طالب علم سے پوچھا: ''اور تم نے کیا تحقیق کی؟''

اس نے ادب سے عرض کیا: ''حضرت! تحقیق تو وہ کرے جنہیں آپ پر اعتماد نہ ہو۔ ہمیں آپ پر پورا اعتماد ہے کہ

آپ جو پڑھاتے ہیں بالکل سچ اور درست پڑھاتے ہیں، اس لیے ہمیں نہ تحقیق کی ضرورت ہے اور نہ مطالعے کی!۔(مولانا فضل الہادی زید مجدہ)

مکمل مرد کون؟

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا ایک مقولہ معروف ہے کہ مردوں کی تین قسمیں ہیں پورا مرد، نیم مرد، اور نامرد۔ پورا مرد وہ ہے جو دوسروں سے مشورہ لیتا ہو اور خود بھی کوئی رائے رکھتا ہو۔ نیم مرد وہ ہے جو خود تو صاحب الرائے ہو لیکن دوسروں سے مشورہ نہ لیتا ہو۔ اور نامرد وہ جو نہ صاحب الرائے ہو اور نہ مشورہ لیتا ہو۔

تعلق بالقرآن کی چند مثالیں:

حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی رحمہ اللہ تلاوتِ قرآن کر رہے تھے کہ آپ پر ایک کیفیت طاری ہوئی۔ مولانا سید تجمل حسین صاحب سے فرمایا:

''جو لذت ہم کو قرآن میں آتی ہے اگر تم کو وہ لذت ذرہ بھر آوے تو ہماری طرح بیٹھ نہ سکو، کپڑے پھاڑ کر جنگل نکل جاؤ۔

آپ نے آہ کی اور حجرہ میں تشریف لے گئے۔ اور کئی روز تک بیمار رہے۔

حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں نے حضرت کو قرآن مجید پڑھتے دیکھا۔ تہجد میں طویل تلاوت فرماتے تھے۔ کبھی رو رہے ہیں، جب عذاب کا ذکر آتا تو رو رو کر استغفار کرتے، ہاتھ جوڑتے، اسی طرح جب آیاتِ رحمت کا ذکر آتا تو خوش ہوتے، کبھی سکوت طاری ہو جاتا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو قران مجید سے خصوصی شغف تھا۔ اس کے حفظ کے اہتمام وتلاوت کی کثرت کی تاکید فرماتے۔ امیر حسن علی سنجری جب حضرت خواجہ سے متعلق ہوئے تو وہ بوڑھے تھے اور شعر وشاعری زندگی بھر کا مشغلہ تھا۔ حضرت خواجہ نے ان کو ہدایت کی کہ قرآنی ذوق کو شعر وشاعری کے ذوق پر غالب کریں۔

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ (فاتح بیت المقدس) کو قرآن مجید سننے کا بہت ذوق تھا، کبھی کبھی اپنے برج میں پہرہ داروں سے دو دو، تین تین، چار چار پارے سن لیتے تھے۔ بڑے خاشع وخاضع اور رقیق القلب انسان تھے۔(بحوالہ مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

تبصرہ کتب

تیسیر البیان

(خلاصہ مضامین القرآن برائے تراویح)

مصنف: مولانا سید فضل الرحمن۔ صفحات: ۳۲۰۔ طباعت: عمدہ۔ ملنے کا پتا: زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز، ناظم آباد نمبر ۴ کراچی۔ رابطہ نمبر 02136684790

مولانا حافظ سید فضل الرحمن صاحب زید مجدہم علمی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ قرآن اور سیرت آپ کی زندگی کا محور اور آپ کی پہچان ہے۔ آپ کی مرتب کردہ کتاب میں معجم القرآن معروف ومتداول ہے، یہ بیک وقت قرآن کریم کا اشاریہ بھی ہے اور لغت بھی۔ اور یہ اردو زبان میں قرآن کریم کی پہلی لغت ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے ''قرآنی عربی'' کے نام سے بھی ایک کتاب مرتب کی ہے جس میں قرآنی عربی سیکھنے والوں کو رہنمائی فراہم کی گئی ہے۔ آپ کا اہم ترین کام عام فہم، سادہ اور سلیس زبان میں قرآن پاک کی تفسیر ''احسن البیان فی تفسیر القرآن'' کے نام سے ہے۔

''تیسیر البیان'' آپ کے قلم سے مضامین قرآن کا خلاصہ ہے۔ اس خلاصے کو تحریر کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ ہر سورت کے مضامین بھی آ جائیں اور طوالت بھی نہ ہو۔ اسے رمضان المبارک میں تراویح کے بعد مختصر دورانیے میں اس خلاصے کو حاضرین کے سامنے بآسانی پیش کیا جا سکے۔ کتاب کے استناد کے لیے حضرت مولانا حافظ سید فضل الرحمن صاحب زید مجدہم کا نام ہی کافی ہے۔ ماہِ رمضان قریب ہے۔ جن مساجد میں تراویح کے بعد خلاصہ مضامین قرآن بیان کرنے کا اہتمام ہے وہاں اس مجموعے کو پیش نظر رکھا جا سکتا ہے۔

حیات مولانا محمد مسعود علوی شہیدؒ

مرتب: مولانا عبیداللہ کشمیری۔ صفحات: ۲۱۶۔ طباعت: عمدہ۔ ملنے کا پتا:

کتاب کا پورا نام ''حیات مجد دِ جہاد حضرت مولانا مسعود علوی کشمیری شہیدؒ'' ہے۔ حضرت مولانا محمد مسعود علوی کشمیری شہید نور اللہ مرقدہ کو اب شاید خال خال لوگ ہی جانتے ہوں گے۔ آپ استاذ المحدثین حضرت مولانا علامہ محمد شریف کشمیری نور اللہ مرقدہ کے اکلوتے فرزند تھے۔ حضرت علامہ کشمیری رحمہ اللہ جامعہ خیر المدارس ملتان کے شیخ الحدیث تھے۔ وہ دار العلوم دیوبند کے فاضل تھے اور تقسیم ہند سے قبل وہاں استاذِ حدیث بھی رہے۔

حضرت مولانا محمد مسعود علوی شہید رحمہ اللہ ''الولد سرہ لابیہ'' کا حقیقی مصداق تھے۔ ماہر علوم وفنون، جید استاذ اور

بے مثال مربی تھے۔ اس پہ مستزاد آپ کا جذبہ جہاد تھا جو انہیں ہمیشہ بے چین رکھتا۔ یہ محض ایک جذبہ نہیں تھا بلکہ ایک فکر اور کڑھن تھی، جس کی آبیاری کے لیے کبھی کندیاں ضلع میانوالی کے صحراؤں میں سرگرداں رہے کہ کبھی ملتان کے مضافات میں سرگرم۔ لیکن انہیں آسودگی ملی تو شہر چیچاوطنی میں ملی۔ چیچاوطنی میں انہوں نے ''مدرسہ خالدیہ'' کے نام سے ایک دینی ادارے کی بنیاد رکھی اور یہاں تعلیم و تعلم کا آغاز کیا۔ ساتھ ساتھ جذبہ جہاد و شوق شہادت کو پروان چڑھانے کے لیے عملی صورتیں بھی بروئے کار لائے۔ آپ کا مدرسہ بیک وقت علم و جہاد کا منبع بن گیا تھا۔ آپ کی بہترین تدریسی و انتظامی صلاحیتوں کی بدولت آپ کا قائم کردہ مدرسہ علاقائی سطح پر مرکز نگاہ بن گیا تھا۔ اطراف و جوانب سے طلبہ پروانوں کی طرح آپ کے گرد جمع ہونے لگے۔

اسی دوران ۱۹۷۸ء میں افغانستان پر روس نے یلغار کی اور وہاں کے مقامی علماء نے روس کے خلاف مقاومت اختیار کی تو گویا اپنے جذبات کو عملی جامہ پہنانے کا میدان مل گیا۔ پھر تو آپ کا بیشتر وقت میدان کارزار میں گزرتا یا مسندِ تعلیم و تدریس پہ صرف ہوتا۔

ہمارے اچھے اچھے باخبر لوگ بھی آپ کی شخصیت کو بھول چکے تھے۔ ان کا نام کبھی کبھار ہی کسی پرانے شناسا کی زبان پر آتا، بھلا ہو مولانا عبیداللہ کشمیری صاحب کا انہوں نے کمر ہمت باندھی اور تھوڑے ہی دنوں کی ان تھک محنت کے بعد حضرت مولانا محمد مسعود علوی شہیدؒ پر ایک یادگار اور وقیع کتاب مرتب کر دی۔ حضرت مولانا مسعود علوی شہیدؒ کی شہادت ۱۹۸۸ء میں ہوئی تھی اور یہ کتاب کامل ۳۸ برس بعد شائع ہوئی ہے۔

مولانا عبیداللہ کشمیری جو مولانا سیف اللہ شوکت شہید رحمہ اللہ کے بھتیجے ہوتے ہیں۔ اور مولانا سیف اللہ شوکت شہید مولانا مسعود علوی شہید رحمہ اللہ کے دست راست، ان کے نائب اور آپ کی شہادت کے بعد مجاہدین کے امیر مقرر ہوئے تھے۔ اس نسبت کی مولانا عبیداللہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ نے بہت خوب لاج رکھی ہے۔

زیر نظر کتاب میں مرتب موصوف نے حضرت شہید رحمہ اللہ پر شائع ہونے والے متفرق مضامین کو یکجا کر دیا ہے۔ ان لکھنے والوں میں استاذ العلماء شیخ الحدیث مولانا فیض احمد رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد اسحٰق خان المدنی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث مولانا یوسف خان رحمۃ اللہ علیہ (پلندری)، حضرت مولانا مفتی محمد انور رحمۃ اللہ علیہ (سابق رئیس دارالافتاء جامعہ خیرالمدارس)، مولانا حافظ مومن خان عثمانی، مولانا شمشاد احمد، مولانا بشیر احمد حامد حصاروی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم مہتمم جامعہ خیرالمدارس ملتان کے اسماء گرامی شامل ہیں۔

یہ کتاب ایک عہد کی داستان اور یادگار ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے کئی بھولی بسری یادیں تازہ ہوجاتی ہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ کس طرح ایک مرد قلندر نے سنگلاخ وادیوں میں ہل جوتے اور زمینوں کو نرم کیا۔

لوگوں میں جذبۂ جہاد کی شمع روشن کی، انہیں حرب وضرب سے آشنائی بخشی۔کیا کہا جائے کہ یہ تذکرہ ایسا دلپذیر ولذیذ ہے کہ جی چاہتا ہے کہ قلم رواں رہے اور اس عہد رفتہ کی ان کہی داستان لکھ دی جائے۔اس راقم کو چھٹپن میں حضرت مولانا محمد مسعود علوی شہیدؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا موقع ملا، ان کی محبتوں شفقتوں سے بہرہ ور ہونے کی سعادت ملتی رہی۔ یہ کتاب تبصرہ کے لیے آئی تو جیسے یادوں کے برس ہا برس سے بند دریچے کھل گئے اور قلب ودماغ ایک ہی جست میں چالیس برس قبل کے عہد میں پہنچ گئے۔ بہتر ہوتا کہ مرتب موصوف تھوڑی مزید محنت کر لیتے ،حضرت شہید رحمہ اللہ کی محنتوں کے مرکز چیچا وطنی کا ایک دورہ کر کے وہاں سے معلومات اخذ کرتے، ابھی بھی وہاں چند شخصیات ایسی ہیں جنہیں حضرت شہیدؒ کی رفاقت میسر رہی یا جنہوں نے حضرتؒ کی تگ وتاز کو بچشم خود دیکھا۔ایسا ہو جاتا تو کتاب کی وقعت میں مزید اضافہ ہوتا۔ بہر حال یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہمارے اہل ذوق ضرور اس سے حظ اٹھائیں اور دل ودماغ کو اس مردقلندر کی یادوں سے منور کریں۔

مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کے آخری بیانات کا خلاصہ

مرتب: جناب عتیق الرحمن۔صفحات: ۱۰۴۔طباعت: مناسب کارڈ کور۔ ملنے کا پتا: القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ خالق آباد نوشہرہ۔03013019928

حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔آپ جماعتِ تبلیغ کے امیر ثانی تھے۔تقوی اور للّٰہیت کے پیکر اور امت کی فکر میں ہر دم مغموم متفکر رہے۔آپ کے بیانات ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا مصداق ہوتے۔ جناب عتیق الرحمٰن صاحب نے آپ کی زندگی کے آخری تین بیانات اور آخری ہدایات کا خلاصہ مرتب کیا ہے۔شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد القیوم حقانی مدظلہم کا اس کتابچے پر وقیع مقدمہ خاصے کی چیز ہے۔اہلِ دعوت وتبلیغ اس کتابچے سے نفع اٹھا سکتے ہیں۔